انتخاب

دیوانِ جاوید

مولوی بندہ کاظم جاوید لکھنوی

کے

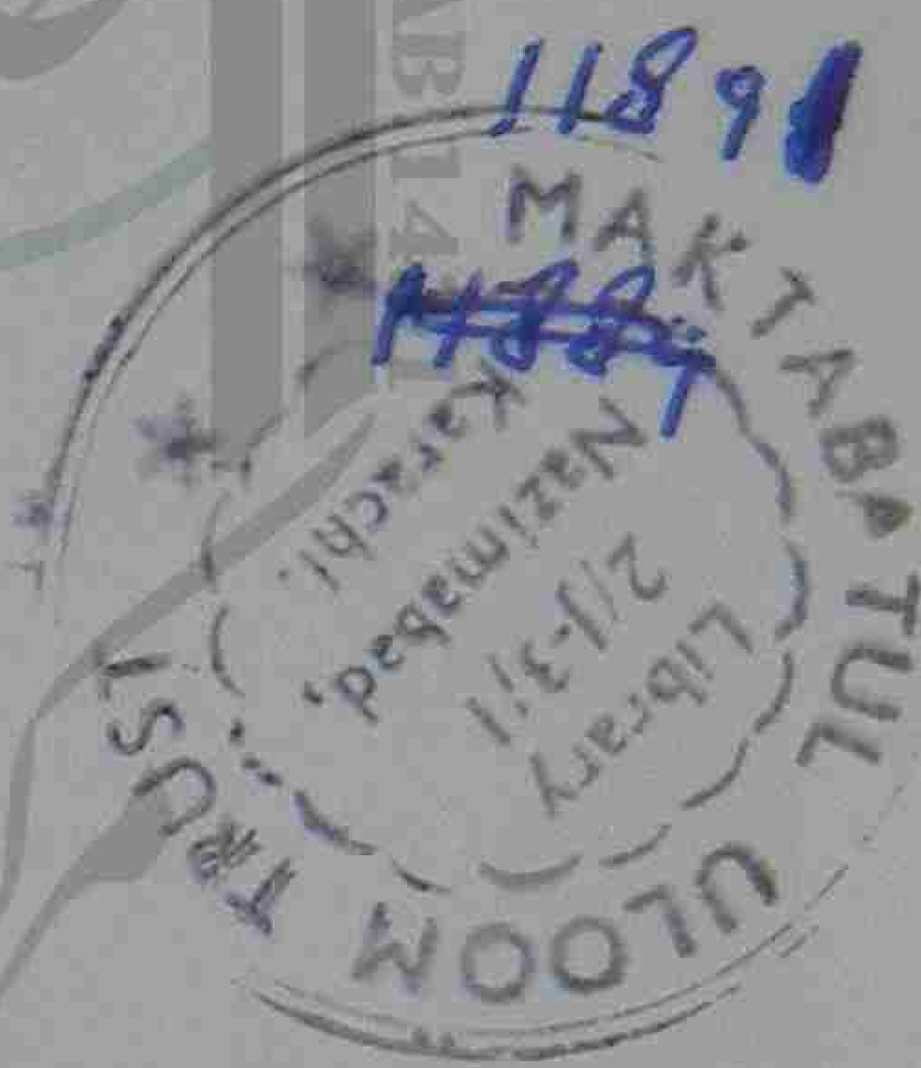
دیوان کا انتخاب اور اُن کے حالات

محمد باقر شمس

مقدمہ

نیاز فتح پوری





اِنتخاب

دیوانِ جاویدؔ

مولوی بندہ کاظم جاویدؔ لکھنوی

کے

دیوان کا اِنتخاب اور اُن کے حالات

محمد باقر شمسؔ

مقدمہ

نیاز فتح پوری

اِنتساب

بنام

ڈاکٹر احسن فاروقی

معتمد دوست، عظیم انسان، نکتہ رس،
دقیقہ سنج، بالغ نظر، دانشمند، حقیقت پسند،
شعلہ ور ذہن، طوفانِ علم، نسیم ادب،
اک مشتِ گل میں جلوہ آرا تھا
ہم اس کی یاد میں اشکبار ہیں اور عقیدت کے یہ آنسو
اس کی فقید المثال شخصیت پر نثار ہیں

ذرۂ ناچیز
شمس

حرفِ آغاز

جاوید صاحب کی غزلوں کے دو دیوان تھے، دونوں دیوان ان کی زندگی ہی میں چوری ہو گئے، پہلے دیوان کا تو پتہ ہی نہ چلا دوسرا مجھے مل گیا جو آپ کے سامنے ہے۔

کچھ غزلیں ان کے انتقال کے بعد پرچون اور سگریٹ کی ڈبیوں پر ملیں، ان میں زیادہ وہ ہیں جو دیوان میں موجود ہیں، بعض میں کچھ نئے شعر بھی ملے جو ان غزلوں میں بڑھا دیئے، جو نئی غزلیں ملیں انھیں ان کی ردیف میں داخل کر دیا اور جن شعروں میں کوئی لطف نہ تھا انھیں خارج کر دیا۔ پچاس سے زیادہ مرثیے، سو کے قریب سلام، ڈیڑھ سو رباعیاں اور بہت سے قطعاتِ تاریخ بھی انھوں نے کہے تھے وہ سب نہ میرے پاس ہیں نہ ان کی اس میں گنجائش ہے۔ اس وقت جاوید صاحب کو غزل گو کی حیثیت سے پیش کرنا مقصود ہے۔

سب سے پہلے ان کی طرف نیاز فتح پوری نے متوجہ کیا، ان کے کچھ اشعار تلاش کر کے حالات اور کلام پر تبصرہ کے ساتھ نگار میں شائع کیے پھر اس کو اپنی کتاب انتقادیات میں شامل کر لیا۔

نیاز صاحب نے لکھا تھا کہ جاوید صاحب کی شاعری لکھنؤ کی اصلی رنگ کی شاعری ہے، اور لکھنؤ کی شاعری پر تبصرہ بھی کیا تھا۔

میں نے بھی ان کی تاسی میں پہلے لکھنؤ کی شاعری پر بحث کی اس کے بعد جاوید صاحب کے کلام پر تبصرہ بھی کیا مگر یہ بہت طولانی ہو گیا اس وجہ سے اس کو "لکھنؤ کی شاعری" کے نام سے الگ کتابی صورت میں شائع کر دیا اور نیاز صاحب کا تبصرہ مختصر ہونے کی وجہ سے اس میں بطورِ مقدمہ داخل کر دیا۔ نیاز صاحب کو جاوید صاحب کے حالات نہ مل سکے اس لیے اسے حذف کر کے حالات میں نے خود لکھ دیئے۔ والسّلام

ذرّۂ ناچیز

محمد باقر شمس

دارالتصنیف۔ ۳۰ سی رضویہ سوسائٹی۔ کراچی ۱۸

یکم اپریل ۱۹۷۸ء

الف

حیاتِ جاؔوید

محمد کاظم نام بندہ کاظم عرف جاوید تخلص محمد جعفر صاحب اؔمید (م ۱۲۹۳ھ) کے بیٹے مولانا محمد باقر صاحب منصف الدولہ بہادر (م ۱۲۷۶ھ) کے پوتے سلطان العلماء مولانا سید محمد صاحب (م ۱۲۸۴ھ) مجتہد العصر کے پروتے۔

زین العلما عضد الدین مولانا علی حسین (م ۱۲۷۳ھ) خلف سید العلما سید حسین م کے نواسے سنہ ۱۲۸۱ھ میں پیدا ہوئے۔ ابتدائی تعلیم گھر میں ہوئی کہاں تک ہوئی یہ نہیں معلوم۔

گیارہ برس کے سن میں والد کا انتقال (م ۱۳۲۰ھ) ہو گیا ماموں (مہدی حسین ماہر) نے پرورش کی ملاذ العلماء مولانا ابوالحسن عرف بچھن صاحب (م ۱۳۰۹ھ) وظیفہ معین کیا اس طرح جاؔوید کی ابتدائی زندگی خوشحالی میں بسر ہوئی۔

شادی خاندان ہی میں صادق علی عرف چھنگا صاحب حسین (م ۱۳۵۱ھ) کی بہن سے ہوئی جو سید صادق صاحب (م ۱۲۵۱ھ) پسر سلطان العلماء کے نواسے تھے۔ کوئی اولاد نہیں ہوئی۔ جب بیوی کا انتقال ہو گیا تو دوسری شادی نہیں کی۔ کتابی چہرہ۔ میانہ قد۔ گدبدا جسم وجاہت اور شان چہرے سے نمایاں تھی چوگوشیہ ٹوپی انگرکھا اس پر تکونا رومال مشرو یا چھالٹین کا پیجامہ اور ڈربی کا پمپ پہنتے تھے ایک ہاتھ میں تسبیح رہتی تھی خشخشی ڈاڑھی تھی جب سے بال سفید ہونے لگے تھے خضاب پابندی سے لگاتے تھے۔

اختلاجی مزاج تھا ہیضہ سے بہت ڈرتے تھے گرمیوں میں اور خاص طور پر فصل کی خرابی کے زمانہ میں استخارہ دیکھ کے کھانا کھاتے تھے

ب

اکثر فاقہ کرتے تھے۔

سفر سے بھی بہت گھبراتے تھے جب بضرورت کہیں جانے لگتے تو کوئی شاگرد قرآن کے نیچے سے نکالتا اور وہ دعائیں پڑھتے دونوں بازوؤں پر دم کرتے گھر سے باہر نکلتے تھے۔

خلیق متواضع منکسر مزاج اور صاف دل آدمی تھے سیکڑوں لطیفہ یاد تھے جہاں بیٹھ جاتے تھے محفل کو زعفران زار بنا دیتے تھے۔ شیرازی کبوتروں کا شوق تھا نہایت عمدہ قسم کے رنگ برنگی کبوتر پلے تھے جب ان کی ڈھابلیاں کھلتی تھیں تو ایک چلتا پھرتا باغ نظر آتا تھا۔

دنگل کے بہت شوقین تھے پان کثرت سے کھاتے تھے۔ شاعری کا بچپن سے شوق تھا محمد مصطفےٰ عرف لڈن صاحب خورشید کے شاگرد تھے۔ شاعری میں ان کی شہرت غزل گوئی سے ہوئی اور اپنے زمانہ میں لکھنؤ کے سب سے بڑے غزل گو کی حیثیت سے مشہور ہوئے ان کا مزاج عاشقانہ تھا غزل سے فطری مناسبت تھی اوائل عمر ہی سے انہوں نے شہرت حاصل کر لی تھی۔

مہدی حسین صاحب ماہر کے انتقال کے بعد وہ مالی پریشانیوں میں مبتلا ہو گئے اور غالباً اسی زمانہ سے مرثیہ کہنا شروع کیا جو اس زمانہ میں باعزت ذریعہ معاش تھا اسمیں بھی انھوں نے بڑی شہرت حاصل کی اور لکھنؤ کے چوٹی کے مرثیہ گویوں میں شمار کئے گئے۔ حضرت انجم لکھنوی نے اس زمانے کے اکابر مرثیہ گویوں کا ذکر ایک رباعی میں اس طرح کیا ہے ؎

اس عہد کے دس میں پانچ شاہان سخن | حقا کہ انہیں کے دم سے ہے شان سخن
جاوید و عروج و عارف و اوج و رشید | یہ پنجتن پاک ہیں ایمان سخن

وہ مرثیہ پڑھنے کے لئے دور دور بلائے جاتے تھے دو مرتبہ نواب رکن الملک کی دعوت پر حیدر آباد گئے۔ اصغر آباد پنڈ راول جانسٹھ ضلع مظفر نگر ہر سال بلائے جاتے تھے اور ہر جگہ سے معقول رقم ملتی تھی جب واپس آتے تھے تو خوشحال ہو جاتے تھے مرغ تیتر بٹیر دونوں وقت پکتے دھیوڑی پیروں سے بھری رہتی تھی کھانے میں اکثر شاگرد بھی شریک رہتے تھے جب پیسہ ختم ہو جاتا تو وہی عسرت کا عالم ہو جاتا لیکن غیور اتنے تھے کہ کسی پر ظاہر نہیں کرتے تھے نہ کسی شاگرد سے کبھی طالب ہوئے کبھی کوئی چیز گروی رکھدی یا بیچ ڈالی اسی سلسلہ میں اپنا آبائی مکان جو سرائے محالیخان میں تھا بیچ ڈالا اور تھوئی ٹولہ میں کرائے کے مکان میں اٹھ آئے جہاں مرتے دم رہے کسی حال میں ہوں فکر سخن سے غافل نہیں رہتے شاگرد گھیرے رہتے تھے اور مشق سخن جاری رہتی تھی۔ پیتل کا جالی دار قلمدان سامنے رہتا تھا جس میں قلم دوات راجس کا چاقو الائچیاں اور عطر کی شیشی ہوتی تھی۔

برجستہ گوئی - وہ بڑالے برجستہ گو تھے شعر کہنے میں ان کو فکر کی ضرورت نہ تھی غزلوں کی غزلیں اس طرح کہہ ڈالتے تھے جیسے باتیں کر رہے ہیں انھوں نے اپنی بعض غزلوں کے مقطع میں اس کا ذکر بھی کیا ہے صفدر مرزا پوری ان کے تلامذہ میں تھے انھوں نے ایک کتاب بزم خیال لکھی ہے جسمیں اُن شعراء کا ذکر ہے جن کو انھوں نے دیکھا ہے جاوید صاحب کے متعلقین انھوں نے جو کچھ لکھا ہے اس سے ان کے کمال فن

سادگی مزاج اور برجستہ گوئی کا اندازہ ہو سکتا ہے وہ لکھتے ہیں۔
"جب میں لکھنؤ میں آیا یہاں کے اکثر شعراء اور کاملین فن سے ملتا۔ ہا جس وقت میں بندہ کاظم صاحب جاوید سے ملا تو جس قدر میں نے شہرت سنی تھی اس کا کوئی اثر طریقہ برے نہیں پایا۔
اتفاق سے ایک دن ساتھ سبزے کی سیر ہو رہی تھی کہ ایک صاحب سیاہ شیروانی پہنے ہوئے نمودار ہوئے آپ نے کہا ــــ صبح سے شام تک اصلاحیں دے کے یہاں آیا تھا یہ بھی مرے ماتم میں سیاہ پوش ہیں انھوں نے قریب پہنچ کر فراشی سلام کیا اور شعر اصلاح کے لئے سنائے جاوید صاحب سنتے جاتے تھے اور اصلاح دیتے جاتے تھے اتنے میں۔ ایک دوسرے صاحب نازل ہوئے انھوں نے ایک شعر اور ایک مطلع اصلاح کے لئے پیش کیا مطلع تو مجھے یاد نہیں رہا شعر یہ تھا ؎

نہیں ہے اب کوئی جوان کو دیکھے مر حسیں اب کیا کریں سرمہ لگا کے

اصلاح

دم زینت خیال آتا ہے کس کا حسیں رو دیتے ہیں سرمہ لگا کے

ایک دن جاوید صاحب میرے گھر سے جا رہے تھے پانی برس کے نکل گیا تھا راستے میں کیچڑ بہت تھی پاؤں کیچڑ میں پڑا اور چھینٹیں اڑیں مولانا عشقی اور عزیز ی طرب ساتھ تھے آپ نے برجستہ کہا ؎

جو چھینٹ پاؤں سے اڑتی ہے سر پہ آتی ہے
فلک کی طرح زمین بھی ہمیں ستاتی ہے

شب ۱۲ ربیع الاول سنہ ۱۳۴۰ھ مطابق پندرہ نومبر سنہ ۱۹۲۱ء انسٹھ برس کی عمر میں دو دن سانجر کے مرض میں مبتلا رہ کے انتقال فرمایا جنازہ بڑی دھوم سے اٹھا شہر کے تمام رؤسا، علماء اور شعراء شریک تھے غفران مآب کے امام باڑہ میں دفن ہوئے۔

ہندوستان کے تقریباً تمام شعراء نے وفات کی تاریخیں کہیں کسی نے

"طبتم فادخلوها خالدین"

سے مادہ تاریخ نکالا تھا جو بہت پسند کیا گیا۔

احباب و معاصرین:۔ ان کے احباب میں مولانا ابو الکلام آزاد بھی تھے جو ان کے بڑے قدر دانوں میں تھے جب لکھنؤ آتے تھے تو ان سے ضرور ملتے تھے اور اکثر مصرع طرح بھیج کے غزلیں بھی منگواتے تھے ایک غزل کے مقطع میں جاوید صاحب نے اس کا ذکر بھی کیا ہے ؎

ایک ہی دن میں غزل بھیجدی کہکر جاوید   پاس تھا حضرت آزاد کے فرمانے کا

امیر مینائی ان کے اساتذہ کے ہمعصر تھے مگر ان سے برابر کا برتاؤ کرتے تھے اور اکثر غزلوں کی طرح بھیج کے ان سے غزلیں کہلواتے تھے اس کا ذکر بھی جاوید صاحب نے ایک غزل میں کیا ہے ؎

آپ جاوید بجا لا چکے ارشاد امیر   طرح گر خوب ہو تو فکر بھی بیکار نہ ہو

ریاض خیر آبادی ان کے معاصرین تھے ان سے بھی عزیزانہ تعلقات تھے ایک مقطع میں اس کا ذکر بھی ہے ؎

یہ کہہ ریاض سے جاوید ہو جو دلمیں کشش   کہاں وہ جائیں گے جو دوست لکھنؤ آئے

؎ بزم خیال مطبوعہ صدیق بکڈپو امین آباد لکھنؤ ص ۱۲۵ تا ص ۱۲۷

تلامذہ :۔ ان کے شاگرد کثرت سے تھے اور تقریباً ہندوستان کے ہر گوشے میں تھے ان کی ایک فہرست انھوں نے اپنے قلم سے اپنے دیوان کی ابتداء میں لکھی ہے اس فہرست میں کچھ نام لکھ کے کاٹ دیئے اس کی وجہ سمجھ میں نہیں آئی کیونکہ اس میں ایسے نام بھی ہیں جو آخر وقت تک ان کے شاگرد رہے اور ان کے بعد ان کی جانشینی کے مدعی ہوئے جیسے مجادر حسین صاحب تمنا ہم تمام نام اس طرح نقل کئے دیتے ہیں جس طرح دیوان میں ہیں۔

سید مجادر حسین بیتاب۔ نواب مرزا فلک۔ نواب حسین نادر۔ کاظم حسین محشر۔ سید محمد عرف آغا صاحب بہار۔ میرن صاحب وفا۔ محمد علی حسرت۔ مولوی زوار حسین قمر (خلف عماد العلماء جناب میر آغا صاحب مجتہد) سید علی سجاد بسمل بریلوی۔ منے صاحب شفیق۔ سید علی نواب شفیق وقدیم۔ سید صادق علی صادق بریلوی میر محمد عابد عابد۔ شیخ عبد الوہاب وہاب سکندر آبادی۔ محمد والی فرہاد۔ محمد ناصح عرف بڈھن صاحب ناصح۔ نواب سلطان بہادر نظر۔ در علی خاں صاحب یاس حیدرآبادی۔ میر امیر علی شاہق حیدرآبادی۔ حیدر علی صاحب محزون حیدرآبادی۔ میر عبد العلی بارش حیدرآبادی۔ شیخ قربان حسین عزت۔ لڈن صاحب بہار۔ میر علی شبر فخر جائسی۔ رضا حسین بدر۔ رضا علی الم۔ منے صاحب فکر۔ حمید۔ مجتبیٰ حسین رمز۔ مصطفےٰ حسین قہر نواب امراؤ مرزا صاحب قہر۔ نواب نادر مرزا نجم۔ نواب بندہ قاسم خاں صاحب قاسم سلطان حسن کانپوری جوہر۔ مولانا نادر حسین نادر۔ محمد حسین نیر۔ عنایت حسین خاں صاحب آغا صاحب ہلال (خلف بحر العلوم مولانا محمد حسین عرف علن صاحب مجتہد)۔ جفن صاحب (خلف علن) صاحب شیدا۔ حکیم مرزا محمد علی صاحب محزون۔ شیخ علی محمد صاحب ناطق (جونپور) محمد قاسم صاحب نصیر آبادی۔ سید کاظم حسین صاحب ہدف سید صادق حسین صبر برادر ہدف۔ محب حسین محب الہ آبادی۔ سید جعفر حسین بحر۔

چھٹن صاحب مشتاق۔ مرزا محمد جعفر عرف منّے صاحب حبیب سید احمد رضا وجاہت حسین ناظم۔ سید نقی صاحب نجم۔ مہدی حسین صاحب بشیر سرسوی۔ حکیم محب حسین وفا۔ محمد عباس برق سرسوی۔ احمد حسین تپش سرسوی۔ سید صاحب حشر۔ منشی نثار علی صاحب عظیم آبادی۔ مولوی بڈھن صاحب محدث۔ سید علی عرف بنے صاحب کوثر۔ حسین مرزا خرد۔ ججھن صاحب درد۔ یاور حسین ثمر۔ محسن صاحب قمر۔ اچھے صاحب صبر۔ واجد علی صاحب وجد۔ لڈن صاحب قمر نواب خادم حسین خاں صاحب دلارے صاحب۔ چھٹن صاحب خیال برادر بہار۔ محمد وحید صاحب بنارسی نیا۔ محمود الحسن صاحب اکبر۔ خلف جعفر حسین خاں صاحب۔ عطا حسین صدف۔ منشی امین الدین انجم۔ احسن علی خاں احسن کانپوری۔ بنو صاحب ہاشم۔ مولوی تراب علی صاحب۔ مولوی رجن صاحب عابد مہر۔ عبدالوحید صاحب جمیل بیڈراول۔ سید سلمہٗ بدر۔ سید جواد صاحب فیض آبادی جواد۔ سید صغیر حسین خلف میر نادر حسین صاحب۔ شبیر حسین دل خلف محمد والی صاحب فرہاد سید کربلائی حسین عرف اچھے صاحب۔ سید مرزا صاحب خویش نواب آغن صاحب دام حشمتہٗ۔ چھٹن صاحب عاقل۔ برادر چھٹن صاحب شیدا۔ محمد احسن صاحب فرحت لکھنوی۔ آغن صاحب سلمہٗ قمر۔ خلف حضرت استادی خورشید۔ منے صاحب خلف حضرت خورشید اختر۔ اصغر علی خاں صاحب ارشد۔ مولوی ابوالحسن صاحب۔ شہنشاہ حسین صاحب گویا۔ زاہد حسین صاحب فوق۔ نواب سکندر آغا صاحب سکندر۔ افسر مرزا صاحب اثر۔ اقبال حسین صاحب طاہر۔ نواب مرتضیٰ حسین خاں صاحب عرف نواب بڈھن صاحب خلف نواب بندہ حسین صاحب نادر۔ جے پور توقیر۔ مشرف حسین صاحب بدایونی سحر۔ بڈھن صاحب بسمل خلف محمد جوہر۔ عالی قدر صاحب قدر۔ مشرف حسین صاحب عرف پیارے صاحب شرر۔

وزیر علی برادر سلطان علی خیال۔ عبدالحسین صاحب جوہر الہ آبادی۔
ظفر حسین صاحب سیاہا نولیس کانپور نوید۔ محبت حسین صاحب محبت۔
سید رعایت حسین صاحب کانپوری سحر۔ محمد حسین صاحب شاکر۔
سید امیر احمد صاحب سید جالنٹھ۔ نواب سرفراز علی خانصاحب شاکر
رئیس جالنٹھ۔ مولوی شبیر حسین صاحب سرسوی۔ سید محمد ہاشم صاحب
سلطان حسین صاحب سائل کانپور۔ مولانا اختر حسین صاحب فیض آبادی
سید نواب علی صاحب سندیلوی۔ سید مہدی حسین صاحب ناظر سندیلوی۔
سید جواد صاحب فیض آبادی۔ مولانا اطہر حسین صاحب کراروی تحمل۔
چودھری لطافت حسین صاحب خرد رئیس اعظم کراری۔ مولوی سید دلدار حسین صاحب
حکیم سجاد حسین صاحب بزم۔ شیخ علی حسین صاحب مضطر۔ ننھے صاحب نذر
نواب رستم علی خاں صاحب رئیس دھولپور۔ پیارے لال صاحب شاکر
الطاف حسین خمار۔ ظفر حسن ظفر۔ کاظم حسین صاحب بازار حیدر گنج۔
حامد حسین خمار۔ سید ابوالحسن صاحب شاگرد دولھا صاحب عاشق مرحوم
سید محمد عادل صاحب۔ کلب محمد صاحب۔ اختر حسین صاحب الہ آبادی۔
مولانا شاکر حسین صاحب شاکر ساکن میرٹھ۔ ڈاکٹر پیارے صاحب جوہر
ہادی حسن اختر حوالۂ نشتر بہ حوالۂ بنے صاحب۔ عسکری حسین صاحب خنجر۔
منشی محمد نعیم اللہ کوثر لین محرر۔ منشی تہور احمد خانصاحب احمر۔ حکیم
شوکت حسین صاحب الو۔ حکیم ذاکر حسین صاحب شیدا۔

حوالۂ اختر :- محمد حسین صاحب نیر۔ مولوی بدھن صاحب محبت۔
امام الدین حیدر صاحب شاہ آبادی اصغر مرحوم۔ سید کربلائی حسین عرف اچھے سرسوی

---

[1] اختر صاحب جاوید صاحب کے استاد خورشید صاحب کے صاحبزادے خوش گو شاعر تھے جوانی ہی میں انتقال ہو گیا۔ جاوید صاحب نے اپنے اکثر شاگرد ان کے حوالہ کر دیئے تھے [2] جوش صاحب کے نانا۔

قربان علی صاحب مقبول ساکن بمبئی ۔ نواب ننّن صاحب راز ۔ منّی لال اختر
حوالہ اختر ۔ یوسف حسین خویش ۔ احمد رضا صاحب ۔ ذاکر حسین صاحب گراروی ۔
برادر ضامن حسین صاحب ۔ افتخار حسین صاحب کامل گراروی ۔ چھبن صاحب برادر
دلدار حسین صاحب ۔ محمد عباس صاحب جنون   حضرت بارق ۔ نواب
لڈن صاحب صولت ۔ سید صاحب محدث ۔ حکیم احمد حسن صاحب حسرت ۔
حافظ خان صاحب حافظ ۔ اختر حسین خلف دبیر الحسن انبالوی ناظم صاحب صدر الافاضل ۔
میرن صاحب صدر الافاضل ۔ عبد الحسین صاحب صدر الافاضل ۔ سید علی
صدر الافاضل ۔ علی ابراہیم صاحب صدر الافاضل ۔ نواب پیارے صاحب جنون
بانس بریلی ۔ سید محمد حیدر خلف حکیم صفدر حسین کانپوری ۔ علی قدر نگین خلف علی سجاد صاحب
فضل احمد نسیم ۔ سید وراثت علی صاحب فکر ۔ سید باقر رضا جوش ۔ محمد عاشق جنون
پیارے صاحب ۔ مشرف علی شرف ۔ محمد حیدر سلمہ اثر تقی صاحب ۔ مہر غنی حمید رمز
اعجاز حسین خان صاحب اعجاز الہ آبادی

قلمزد نام :- نواب مظفر علی خاں صاحب رئیس جانسٹھ ۔ سید علی غضنفر صاحب غضنفر
سید علی مظفر صاحب مظفر ۔ کلب عسکری بدر ۔ سید صادق علی عرف
چھنگا صاحب حسین ۔ سید مجاور حسین عرف مجن صاحب تمنا ۔ عبد الحق عروج ناظر
کانپوری ۔ سید شوکت علی صاحب بلوری رشید ۔ سید عابد حسین عرف مجو
شمشاد علی صاحب پسر عابد علی صاحب شمشاد ۔ اقبال حسین صاحب جوہر
سجاد حسین صاحب بزم ۔ مولوی اطہر حسین صاحب تجمل ۔ مولوی سید علی صاحب طالب علم
میر باد علی صاحب قبول ساکن بمبئی ۔ خواجہ مبشر حسین صاحب مبشر
حکیم ننھے صاحب (آشفتہ)

ی

لکھنؤ کی صحیح رنگ کی شاعری

اور

جاویدؔ مرحوم

از نیاز فتحپوری

عام طور پر دہلی اور لکھنؤ کی شاعری میں وجہ امتیاز یہ بتائی جاتی ہے کہ وہاں جذبات وکیفیات سے بحث کی جاتی ہے اور یہاں صنعت زبان اور محاورات سے، لیکن میرے نزدیک یہ درست نہیں، کیونکہ جذبات وکیفیات سے خالی تو کوئی شعر ہو ہی نہیں سکتا خواہ میرؔ کا ہو یا امیرؔ کا البتہ جذبات کی نوعیت اور ان کے اظہار میں فرق ضرور ہوتا ہے اور یہیں سے دہلی اور لکھنؤ کی راہیں جدا ہوجاتی ہیں۔

شاعری اُلفت و محبت کی زبان ہے اور اس کے تحت جو جو تاثرات پیدا ہوتے ہیں ان کیلئے دہلی اور لکھنؤ دونوں جگہ کی گلیاں یکساں حکم رکھتی ہیں لیکن شاید یہ سرزمین یا اختلاف آب وہوا کا اثر ہے کہ دہلی کا شاعر خراب الفت ہونیکے بعد ایک دنیا اپنی علیحدہ قائم کرلیتا ہے جہاں وہ کائنات سے بے نیاز ہوکر شعر نہیں کہتا بلکہ اپنے جذبات ایک خریں راگنی میں گنگنایا کرتا ہے اور لکھنؤ کا شاعر طلع ناسنا کی تمام یاس آفرینیاں دیکھنے کے بعد بھی کوچۂ محبوب کو نہیں چھوڑتا۔

محفل یار میں غیروں سے "ان" کا التفات دیکھ دیکھ کر جل رہا ہے، مر رہا ہے لیکن ایک سرکش گدا کی طرح وہاں سے ٹلتا نہیں، یہاں تک کہ وہیں دم دیتا ہے، ذبح ہوجاتا ہے اور اس کی زندگی نہیں بلکہ موت کا بڑا کارنامہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا محبوب بھی با زلف پریشان اس کے جنازہ کے ساتھ ساتھ ہے لکھنؤ میں تاثرات محبت کی یہ فضا پیدا ہوجانا جس میں دوسروں کو متاثر کرنے کے لئے نزع،

جاں کنی، ماتم، واویلا، بین شیون، جنازہ کے مناظر سے زیادہ کام لیا جاتا ہے، ایک حد تک ضروری تھا کیونکہ یہاں کے اکثر شعراء ایسے مسلک کے پابند ہیں جس کی رو سے انھیں سال کے بارہ مہینوں میں تقریباً ہر مہینے کسی نہ کسی طرح اس نوع کے جذبات کو زندہ رکھنا ضروری ہوتا ہے۔ پھر انسان کے جذبات پر ماحول ہی کا اثر نہایت قوی ہوتا ہے چہ جائیکہ خود ذاتی معاشرت اور مذہبی معتقدات کہ اس کے اثرات سے بچنا کسی طرح ممکن نہیں۔ اسی لئے لکھنوی شاعری کا یہ درد مند پہلو جس میں مرثیہ کا رنگ زیادہ جھلکتا ہے۔ دردناک تو ہے لیکن خودداری اور وقار کی بلندی نہیں رکھتا۔

لکھنؤ کی شاعری کا دوسرا رُخ وہ ہے جس کا تعلق صرف "محفل طرازی" سے ہے اور جہاں عامۃ الورود جذبات الفت سے بحث کی جاتی ہے۔ اس رنگ میں لکھنؤ کا شاعر ہر چند "اہلِ نظر" کی حیثیت سے اپنے آپ کو پیش نہیں کر سکتا لیکن ایک بوالہوس کی حسن پرستیاں بھی ہمیشہ نظر انداز کرنے کے قابل نہیں ہوتیں میرے ایک دوست نے مرزا تعشق مرحوم کا یہ مصرعہ ؎

نام سے تو یذ کے باندھے گئے بازوئے دوست

نہایت کراہت کے ساتھ پڑھا اور فرمایا کہ بھی کوئی شاعری ہے میں خاموش ہو گیا کیونکہ مجھے معلوم تھا کہ ان غریب کو کسی کے گورے گورے بازو دیکھنے ہی نصیب نہیں ہوئے چہ جائیکہ وہ وقت آرائش ان پر رنگین ریشمی فیتوں کے تعویذ بندھتے دیکھتے۔ دوسرے دن اتفاق سے شاہ میناصاحب کی نوچندی میں میرا ان کا ساتھ ہو گیا۔ ایک مغنیہ اور کافی حسین غزل گا رہی تھیں اور وہی مابہ النزاع تعویذ اس کے بازو پر بندھا ہوا تھا۔ خیر اس وقت وہ صرف مسکرا کر رہ گئے لیکن سنا ہے کہ اس کے بعد کسی اور جلسے میں جب مرزا تعشق کی شاعری

کا ذکر آیا تو انھوں نے اس مصرع کی بھی تعریف کی کہ ؎

نام سے تعویذ کے باندھے گئے بازوئے دوست

الغرض لکھنوی شاعری کا یہ رُخ ضرور قابلِ لحاظ ہے اور ایک "رند شاہد باز" کی زندگی کے بہت سے نکتے اس میں تلاش سے ملجاتے ہیں حیاتِ انسانی کے واقعات میں موزوں ناموزوں کی جستجو، لغو سی بات ہے۔ حقیقت کے لحاظ سے دیکھئے تو میر و درد بھی ویسے ہی ناکارہ نظر آتے ہیں جیسے جان صاحب، کیونکہ کام کی بات ان میں سے کسی نے نہیں کی پھر جب سوال صرف وقت ضائع کرنے کا ہے تو اس میں یہ جستجو کرنا کہ کس نے اچھی طرح وقت ضائع کیا اور کس نے بُری طرح، لایعنی سی بات ہے۔ مولویانہ انداز میں زیادہ سے زیادہ فرق اگر کوئی ظاہر کیا جا سکتا ہے تو صرف یہ کہ بلند جذبات سے ہمارا خیال معصیت سے ہٹتا ہے اور پست کیفیت کا شعر اس طرف مائل کرتا ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ ایک مولوی کو اس بحث میں پگڑی اُلجھانے کی ضرورت ہی کیا ہے گناہ کی لذتوں سے واقف ہوئے بغیر، خواہ مخواہ گناہ کو گناہ کہدینا کہاں کا انصاف ہے۔ علی الخصوص اس وقت جبکہ موت کی نگاہ میں ایک زاہد شب زندہ دار اور ایک رند بادہ خوار دونوں ایک درجہ رکھتے ہیں۔ موت کے بعد کا سوال نہ اُٹھائے کہ اس کا تعلق مذہب سے ہے اور سب سے بڑا شاعر وہی ہے جو سب سے زیادہ مذہب سے علیحدہ ہو۔ بہر حال مقصود صرف یہ ظاہر کرنا ہے کہ لکھنؤ کی شاعری بھی اپنی جگہ خاص چیز ہے۔ اگر کوئی اسے تکمیل کے ساتھ ادا کر سکے، لیکن میں دیکھ رہا ہوں کہ کچھ دنوں سے شعرائے لکھنؤ میں دہلی کی تقلید کا خیال قوی ہوتا جاتا ہے اور حقیقتاً مجھے

افسوس ہوتا ہے جب میں یہ محسوس کرتا ہوں کہ دہلی کی آب و ہوا یہاں آ نہیں سکتی اور لکھنؤ کی وہ مخصوص فضا بھی اس کوشش میں برباد ہو رہی ہے اور بیان کی روانی، زبان کی پاکیزگی، الفاظ کی شائستگی، محاورات کی شگفتگی و اہل لکھنؤ کا حصہ تھی مفقود ہوتی جاتی ہے۔

ایک دن میں اپنے عزیز دوست مولوی عبدالباری صاحب آسی اس بحث پر گفتگو کر رہا تھا کہ انھوں نے مجھے جاوید مرحوم کے دو چار شعر سنائے۔ چونکہ ایک زمانہ کے بعد میں نے لکھنؤ کے صحیح رنگ کے یہ شعر سنے اس لئے مجھے بہت لطف آیا اور میں نے خواہش کی کہ ان کا کلام فراہم کیا جائے، لیکن جستجو کی گئی تو مایوسی ہوئی کیونکہ سوائے چند اشعار کے ان کا سارا کلام ضائع ہو چکا ہے اور اب کوئی امید اس کے ہاتھ آنے کی نہیں ہے۔ چونکہ جناب جاوید مرحوم کو آسی سے خصوصیت خاصہ تھی اور وہ اپنی ہر غزل آسی صاحب کو سنا دیا کرتے تھے اس لئے کچھ شعر ان سے ملے اور کچھ جناب جاوید کے بھائی سید مجاور حسین تمنا سے ۱۳۵۹ھ ظاہر ہے کہ ایسی صورت میں ان کے کلام پر کیا نقد ہو سکتا ہے لیکن اس خیال سے کہ ممکن ہے چند دن بعد یہ اشعار بھی گم ہو جائیں میں انھیں اس جگہ درج کئے دیتا ہوں۔ ---

کلام۔ ان کے جو اشعار دستیاب ہوئے ہیں ان کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ جاوید صحیح معنی میں لکھنوی شاعر تھے اور جتنی باتیں اس رنگ کی شاعری میں ہونی چاہییں وہ سب آپ کے ہاں پائی جاتی ہیں۔ ممکن ہے کہ آپ نے کبھی اس رنگ سے ہٹ کر بھی کچھ کہا ہو لیکن اس کا ثبوت دشوار ہے۔ ان کے یہاں یقیناً تخیل بلند نہیں ہے اور جذبات بھی عمیق نہیں ہیں،

لیکن معاملات حسن و عشق کے بیان کے جتنے اسلوب ہو سکتے ہیں وہ سب ان کے ہاں پائے جاتے ہیں۔ یہاں تک کہ کبھی کبھی ان کا جوش معمولی سطح سے بھی بلند لیجاتا ہے مثلاً آپ کا ایک شعر ہے ؎

یہ اپنے چاہنے والوں سے آپ کا برتاؤ
یہاں تک آتی ہے آواز لن ترانی کی

لن ترانی کا مضمون نہایت پامال چیز ہے، لیکن جاوید صاحب نے جس جوش اور اسلوب کے ساتھ اس کو ظاہر کیا ہے اس نے ایک ایسی خاص کیفیت پیدا کر دی ہے جس سے مضمون میں تازگی محسوس ہونے لگتی ہے۔ اسی زمین میں ایک شعر اور جوانی کے قافیہ کا ہے۔

جو بچپنا ہے تو میری طرف سے پھیر لو منہ
یہ کوئی کھیل نہیں موت ہے جوانی کی

جناب جاوید نے جوانمرگی کا منظر دکھانے کے لئے الفاظ سے جو فضا پیدا کی ہے وہ یقیناً ایک ایسی مصوری ہے جو باوجود عامیانہ تخاطب کے بھی سننے والے کے دماغ کو اپنی طرف متوجہ کئے بغیر نہیں رہ سکتی اسی قافیہ میں ایک شعر اور ہے۔ لیکن دوسرے عالم کا کہتے ہیں۔

ہماری عمر سے کچھ روز گھٹتے جاتے ہیں
قسم حضور نہ کھایا کریں جوانی کی

کسی کی جوانی کی قسم کھانے پر شاعر کے خیال کا اس طرف منتقل ہونا کہ ہر قسم کے ساتھ اس کی عمر کے دن گھٹتے جاتے ہیں۔ ایسا شدید جذبۂ شوق ہے کہ مشکل سے اس میں کوئی اضافہ ہو سکتا ہے۔ ہر چند جوانی کی قسم کھانا کوئی شائستہ و مہذب بات نہیں ہے لیکن اگر کوئی ایسا کرے تو پھر کیونکر ممکن ہے کہ اس طرح ذکر شباب کیا جائے اور سننے والا ٹھنڈے دل سے اسے سن لے۔ جاوید صاحب نے اپنے تاثر کو پہلے مصرع میں جس خوبی سے ظاہر کیا ہے وہ یقیناً معمولی شاعر کے بس کی بات نہیں ہے۔

لطفِ زبان، سلامت ادا کا ایک شعر ملاحظہ ہو:۔

اب اک بوسہ پہ اتنی بحث زیبا نہ تھا یا ہے، نگاہیں نیچی کر لو، خیر، اچھا لے لیا ہو گا

ابتدائے محبت کی کیفیات پر غور کرنے مستقبل کی طرف سے جو اندیشہ چاہنے والے کے دل میں پیدا ہوتا ہے وہ بہت عام بات ہے لیکن اس جذبہ کو ایسے اسلوب سے بیان کر دینا کہ دل کی صحیح کیفیات ظاہر ہو جائیں بہت دشوار ہے جاوید صاحب اس میں جس قدر کامیاب ہوئے ہیں ذیل کے شعر سے معلوم ہو سکتا ہے۔

ابھی تو آگ سی دل میں کہیں کم ہے کہیں زائد
اگر مل جائیں گے آپس میں سب چھا لے تو کیا ہو گا

مسرت و نشاط یا حزن و ملال نام ہے صرف اپنے احساس کا دنیا میں کوئی شے ان کیفیات کی حامل نہیں ہے اگر اپنا جی خوش ہے تو ہر منظر اچھا معلوم ہوتا ہے اور نہ دنیا کی نشاط انگیزیاں بھی ماتم سے کم نہیں۔ اس فلسفہ کو جاوید اس طرح بیان کرتے ہیں۔

کفن پہنے ہوئے خود چاندنی آئی مرے گھر میں
خدا عالم نہ دکھلائے شب مہتاب ہجراں کا

ان کے بعض شعر یہ ہیں۔

اُداسی چارہ گر کے منہ پہ جب آتی ہوئی دیکھی
میں سمجھا یہ کہ ٹوٹا زخم کا میرے کوئی ٹانکا

ملا شباب میں جو دل بجھا وہ پیری میں
چراغِ صبح تھا اب اس کا اعتبار نہ تھا
ہزار بار رکھا اس نے ہاتھ سینہ پر
کہ میرے دم کے نکلنے کا اعتبار نہ تھا

حد سے افزوں ہے یہ کہکر میں بھی اک مشکل میں تھا
سب سہی پر درد اتنا تھا کہ میرے دل میں تھا
حال دنیا پوچھتے ہیں اہلِ محشر تو سنیں
مرنے جینے کا مزہ سب کو چڑھا تیں نہ تھا

ع

اٹھائیں دستِ نازک سے وہ خنجر ذبح ہوتا ہوں
میں کروں امتحاں ان کا وہ کریں امتحاں میرا

نہ جانے وصل میں کیا تھا ہوا ہی ہجر میں کیا
جو پھول کل تھے وہ کانٹے ہیں آج بستر پر

مرنے کی اک اُمید پہ جی جائیں بے نصیب
تم بھی کسی کے غم میں اگر سوگوار ہو

کہتے ہیں دیکھ کر مری صورت وہ آن غیر سے
اب اس کے رنج کی نہ کوئی بات کیجئے !

کیا آشنائے لذتِ دیدار وصل نہیں
محفل میں منہ کو پھیر کے کیوں بات کیجیے

ہم جس کو عمر سمجھے مدت ہی اسکی کیا تھی
اتنا نہ کہنے پائے کس فتنہ گر نے مارا

اب کہاں تھا میں جو دیتا اس محبت کا جواب
جس کی تربت دیکھ لی مجھ کو صدا دینے لگا

اٹھے یہ حشر ہے ہیں سیکڑوں ترے مشتاق
یہاں پہ ہم بھی ہیں راضی نقاب ڈال کے چل

کہیں یہ تفرقہ انداز چرخ دیکھ نہ لے
نہ اس طریق سے باہیں گلے میں ڈال کے چل

کل بھی گر پہچانئے تو مان لوں !
دیکھ لی ہے آج صورت آپ نے

اِک جماہی سی اسے محفل میں آ کر رہ گئی
میں یہ سمجھا اک کلی تھی مسکرا کر رہ گئی

اب نہیں معلوم زخمی کون محفل میں ہوا
تیر کی آواز کچھ کانوں میں آ کر رہ گئی

شبِ تاریکِ ہجر آتی ہے جاوید
سویرے سے چراغوں کو جلا لو

رات کو دریا میں موجیں کس طرح اب چین ہیں
اک کنارے چاند ہے اور اک کنارے آپ ہیں

جمع آنکھوں میں ہیں اتنے کہ کھٹک ہوتی ہے
کچھ تو آنسو مری آنکھوں سے نکل جانے دو

انتقادیات حصہ دوئم ص ۴۸ تا ۵۳

.... ⁂ ....

ردیف الف

غزلیات

بے حد ہے نشۂ بادۂ خمِ غدیر کا
سنبھلوں گا نام لے کے جنابِ امیر کا

پردہ نہ حشر میں بھی گناہوں کا فاش ہو
دامن جو ہاتھ میں ہو جنابِ امیر کا

سر رکھ کے اس زمین پہ کہتا ہے آفتاب
ذرہ ہوں آستانِ جنابِ امیر کا

شاہوں سے بھی مزاج نہ میرا کبھی ملا
محتاج تھا گدائے جنابِ امیر کا

جاوید خوفِ حشر جنہیں ہے انہیں کو ہو
جنت ہے گھر غلام جنابِ امیر کا

مژدہ ذبح کا سننا مری تقدیر میں تھا
روح افزا اثر آوازِ پرِ تیر میں تھا

نہ سہی آپ جنازہ نہ اٹھائیں میرا
میں یہ سمجھوں گا کہ یہ بھی مری تقدیر میں تھا

گفتگو کی نہیں ہما حسن میں دھن تھا ایسا
قابلِ دید تھا انداز جو تصویر میں تھا

دیکھ کر جس کو کلیجہ کی رگیں کھنچتی ہیں
اور اک بل بھی تری زلف گرہ گیر میں تھا

دیکھتے وقت مری آنکھوں کے پردے اٹھے
تھا نہ یہ حسن ندا سا نہ جو تصویر میں تھا

کہیے اے حضرتِ جاوید کہ جاتا ہے یہ زیب
آج وہ آپ میں ہے جو کہ کبھی میر میں تھا

دل کے پہلو میں ہے گہرا زخم ان کے تیر کا
دید کے قابل ہوا اب ایک رخ تصویر کا

آبلے نے اور بھی کھولا دیا دل کا لہو
ایک جنگاری سے لوہا جل گیا زنجیر کا

شمعیں بجھتی ہیں وہ گھر جاتے ہیں تارے چھپتے ہیں
دم نکلنے کو ہے شاید پھر کسی دل گیر کا

۲

بر گئیں ٹوٹی ہوئی جو تیر اب تک ہیں گواہ
دم بڑی مشکل سے نکلا عاشقِ دل گیر کا

پھری پھرے گا آج مجھ پر جو قاتل ہے اک جہاں کا
رگیں گلے کی تڑپ رہی ہیں قریب ہے وقت امتحاں کا

ثریا تھا سوزش تپاں کا پتہ نہ تھا میرے استخواں کا
فشار سے قول تھا زباں کا زمیں میں ہے دور آسماں کا

الگ تھی دنیا سے میری ہستی ملی بلندی سے مجھ کو پستی
ہوئی جو قسمت بھی دل کی سستی رہا زمیں کا نہ آسماں کا

ہر ایک بھولا رہ طرب جب چھپا جو بدلی میں چاند شب کو
گماں ہوا صاف صاف سب کو کسی نے منہ کو ڈھانکا

گئے نہ بجلی نہیں تڑپ کے جو ابھی ٹوٹے گا کوئی تارا کا

بہا کر خون ناحق رنج و غم کھانے سے کیا ہوگا
جو ہونا تھا ہوا اب اس کے پچھتانے سے کیا ہوگا

چلے تھے درد کو سن کر تجھے یہ کہہ کے رستہ میں
نہ جانا اب مناسب ہے وہ کب کا مر گیا ہوگا

نہیں کچھ فائدہ کیوں شمع تربت دل جلاتی ہے
لحد تیرہ ہے جب تجھ اس کے جل جانے سے کیا ہوگا

کسی کی بات رہ جائے گی میرا کیا ضرر اس کو
نہ ہو کچھ جان جس میں اس کے مر جانے سے کیا ہوگا

ذرا بھی بدلے وضع عالم امکاں نہیں ممکن
کوئی اتنا بتا دے میرے مر جانے سے کیا ہوگا

گنہ... اچھا ہٹے اے حضرت جاوید ناصح سے
سمجھتا بھی نہیں جب تو تو سمجھانے سے کیا ہوگا

دل کو مرے مل رہے ہیں کیا کیا
ارمان نکل رہے ہیں کیا کیا

پھر دیکھنے کی جو اک غرض ہے
ہم گر کے سنبھل رہے ہیں کیا کیا

بوسے جو کسی نے لے لئے ہیں
تیور وہ بدل رہے ہیں کیا کیا

تارے بھی جیسے ہیں دیکھ لے ابر
چھپ چھپ کے نکل رہے ہیں کیا کیا

انگڑائیاں کوئی لے رہا ہے
دم کھنچ کے نکل رہے ہیں کیا کیا

صحت یہ جو وصل کا ہے وعدہ
بیمار سنبھل رہے ہیں کیا کیا

حد سے افزوں ہے یہ کہہ کر میں بھی اک مشکل میں تھا — سب سہی پر درد اتنا تھا اگر میرے دل میں تھا
خون ارمانوں کا ہوتا تھا تلاطم دل میں — دم مرا الجھا ہوا جب نزع کی مشکل میں تھا
سن چکا تھا حشر میں وہ منہ چھپا کر آئیں گے — دم نکلتے وقت بھی تو میں عجب مشکل میں تھا
غنچے چٹکے ہیں گلستاں میں تو اس کا کیا عجب — دیں جواب نالہ بلبل یہ ان کے دل میں تھا
گلشن عالم میں لالے کی طرح تھا محو حسن — جب سے میں دنیا میں آیا داغ میرے دل میں تھا
کس کی میت ہے جو سینہ پر رکھے ہیں دونوں ہاتھ — آپ سے ملنے کا کیا ارمان اس کے دل میں تھا
حال دنیا پوچھتے ہیں اہل محشر تو سنیں — مرنے جینے کا مزا سب کوچہ قاتل میں تھا
جان دے کر مرنے والوں نے اسے بھی لے لیا — اک ٹھکانہ جو بظاہر کوچہ قاتل میں تھا
کیا کیا اس کو بھی کھویا بڑھ کے اے سوز فراق — جو بچا تھا خون پیکاں سر وہ اب تک دل میں تھا
رہنے والوں کے مذاقوں پہ ہوا اب منحصر — با مزا جنت میں تھا یا آپ کی محفل میں تھا
ہے کے افسردہ بنا گور غریباں کا چراغ — اس کے تیور تھے بجھے جو داغ میرے دل میں تھا
وہ گلے سے آ کے مل جائیں تو شاید کچھ کھلے — یوں وہ کیا جانیں کہ کیا ارمان میرے دل میں تھا
صبح ہوتے دیکھ لو کہتے ہیں بجھ بجھ کر چراغ — وہ بھی جلتا تھا جو شب بھر کبھی محفل میں تھا

جس کے دل میں ہو نہ اے جاوید کوئی آرزو
دیکھنے کا اس کے بھی ارمان میرے دل میں تھا

محل ملا نہ مجھے حشر میں جو نالوں کا — بحال ہو گیا چہرہ ستانے والوں کا
ہر ایک غنچہ ہے ہمدرد قلب بلبل زار — چٹک چٹک کے دیا ہے جواب نالوں کا
کسی سے بات کریں گے نہ ساکنان عدم — مزاج اور ہے اب یاں کے رہنے والوں کا
کسی حسین کی ادا دیکھنے سب آئے ہیں — ہجوم ہے مرے لاشہ پہ ہنسنے والوں کا
اگر بہشت میں جائیں تو جائیں سیر طرق — یہ قصد ہے ترے کوچے کے رہنے والوں کا
وہ جاگتے ہیں کہ دیکھیں مرے تڑپنے کی سیر — میں جانتا ہوں اثر ہے یہ میرے نالوں کا

کچھ اور بڑھ گئی ہے تیرگی شام فراق !
ہوا ہے مجھ کو تصور یہ کس کے بالوں کا

کہیں کے بھی نہ رہیں گے جو لوگ جیتے ہیں
حضور غم نہ کریں آپ مرنے والوں کا

مرے کلیجہ کے ٹکڑوں کو گن تو لیں جاوید
بڑا کلیجہ ہے ناوک لگانے والوں کا

اے بے خودیٔ شوق کلیجہ اُلٹ گیا
یہ کون تھا جو آ کے گلے سے لپٹ گیا

اب رحم بھی ستم ہے ذرا یہ رہے خیال
کیوں ہاتھ روکتے ہو گلا نصف کٹ گیا

اظہارِ عشق کر دیا تصویر نے مری
پردہ جو رُخ پہ رنگ کا تھا وہ بھی ہٹ گیا

سمجھے تھے انقلاب زمانہ کو بے اثر
اب یہ کہیں کہ خود ہی کلیجہ الٹ گیا

بس اے کلیم ہوش میں آ [illegible] خوب ہے
جلوہ دکھا کے ہٹنا تھا جس کو وہ ہٹ گیا

بے تاب ہو گئی مری حسرت بھری نگاہ
شاید قریب سے کوئی پردے سے ہٹ گیا

اب اضطراب قلب سے نفرت ہے مجھ کو بھی
سینہ سے اُن کا ہاتھ کئی بار ہٹ گیا

جاوید زندگی میں [illegible] موت کا ملا
پلٹے وہ راہ سے تو مقدر پلٹ گیا

غم کے جانے سے فزوں دلمیں مرے غم ہو گا
اور تڑپوں گا اگر درد جگر کم ہو گا

دیکھ لو آنسوؤں کی چال میں بیتابی ہے
اب سمجھ لو جو دل زار کا عالم ہو گا

چُپ رہوں گا تو ستائے گا مجھے دل میرا
کچھ کہوں گا تو مزاج آپ کا برہم ہو گا

تیری محفل میں عبث غیر پہ لے جانے میں شک
جو نکالے سے نہ نکلا وہ مرا دم ہو گا

گردنیں ایسے تواضع ہی سے کٹ جائیں گی
سر ترا صورت شمشیر اگر خم ہو گا

صورت شمع ہے جلنے سے بقائے عاشق
خود فنا ہو گا اگر درد جگر کم ہو گا

جگر و دل پہ اگر چوٹ سی پڑتی ہے پڑے
ہاتھ جب تک ہیں سلامت یونہیں ماتم ہو گا

اپنی آنکھوں کی قسم مجھ سے ابھی سے کہہ دو
سُرمہ دینے پہ جو ان آنکھوں کا عالم ہو گا

سوزِ غم جن کو ہے ان کو تو نہ دکھلائے خدا
بعد جلنے کے چراغوں کا جو عالم ہو گا

حال کیا پوچھتے ہو راز سمجھ لو خود ہی
چہرہ کہہ دے گا اگر رنجِ جگر کم ہوگا

خیر نہ جھوٹ سہی کہہ دو کہ ہوگا کبھی وصل
کیا کہوں اتنے سہارے پہ جو تا عمر ہوئی

غیر کو آج ہی مرنا تھا ستم ہے یہ بھی
کیا انھیں مہندی لگے ہاتھوں سے ماتم ہوگا

جب نہ بے تابی میں جاوید کرے گا کوئی بات
دل کے جانے کا مجھے اور بھی کچھ غم ہوگا

مر کے تربت سے ہوا وصل میسر اپنا
بند آنکھیں جو کھلیں چھپ لیا گھر اپنا

ڈھونڈتے پھرتے ہیں لوگ اب تو نرالی مثال
خاک میں مل گیا جب سے تنِ لاغر اپنا

پٹ گئی تم سے مری تربت لیے بگڑی ہی عناد
ہٹ نہ یوں چین جبیں پہ تو بستر اپنا

اس کے کوچہ سے نہ جو رہے گا کوئی
آج ہم اٹھتے ہیں کل اٹھے گا بستر اپنا

نا امیدی کی دلیل اب تو ہے لفظ امید
اڑ گیا لے کے خطِ شوق کبوتر اپنا!

اس کے کوچہ میں ادھر سے تو کبھی در سے ادھر
اک جگہ پر کبھی رہتا نہیں بستر اپنا

ہم جو محروم رہے وصل سے شکوہ کس کے
خود ہی کچھ سوچ کے لیتے ہیں مقدر اپنا

اس ادا پہ بھی ہزاروں کے گلے کٹتے ہیں
تم ذرا ہنس کے فقط دیکھ لو خنجر اپنا

صبح بھی ہو گئی لیکن شبِ وعدہ وہ نہ آئے
شوق میں ان کے بچھائے رہے بستر اپنا

دوسری رات کی بھی صبح ہوئی کوچے میں
ہم اسی طرح لپیٹا کیے بستر اپنا

کوچہ یار میں تھا نقشِ قدم کا یہ حال
مٹ گئے پر نہ اٹھایا کبھی بستر اپنا

سخت جانوں میں گلا ایک کا بھی کٹ نہ سکا
رہنے ہی دیجیے بس آج سے خنجر اپنا

تری محفل میں انھیں لوگوں میں جاوید بھی ہے
آئے ہیں ہاتھ پہ رکھے ہوئے جو سر اپنا

حشر کے روز بھی ہر ایک ہے دشمن میرا
سو حسینوں کے ہیں ہاتھ ایک ہی دامن میرا

مختصر یہ ہے کہ تم دوست نہ ہوتے جو مرے
پھر زمانے میں نہ ہوتا کوئی دشمن میرا!

ٹوٹے پڑتے ہیں رقیب ان کے قدم پر باہم
آج ٹھکرا کے جو آئے ہیں وہ مدفن میرا

کم سنی سے مجھے سو طرح کے وہم آئے ہیں
دفعتہً دیکھ نہ لینا کہیں مدفن میرا

اس لئے بعد فنا ڈھانپ لیا ہے منہ کو
کہ ضرور آئے گا ہنستا ہوا دشمن میرا

ہجر کی رات کو وہ اور نہ نیند آتی کہ
پوچھتا ہے نہ کوئی دوست نہ دشمن میرا

کس ادا سے یہ رکھا پاؤں کسی نے سر بزم
خواب سے چونک پڑا سبزہ مدفن میرا

سرد آہیں نہ بھریں دوست مرے اے جاوید
جل چکے جب کہ چراغ سر مدفن میرا

ہوا اب میں بھی قائل اپنی قسمت کی برائی کا
خدا اب منہ نہ دکھلائے شب تار جدائی کا

لحد میں آ گئے ہیں لیکن کہیں ہم ہیں کہیں دل ہے
ہماری طرح سے کشتہ نہ ہو کوئی جدائی کا

اندھیرے نے کیا اندھیرا ایسا بڑھ کے عالم میں
نہ دیکھا روشنی نے منہ کبھی شام جدائی کا

نہ روئیں جو مرے غم میں وہ آنکھیں آج پرنم ہیں
کسی نے نام بھولے سے لیا تھا بیوفائی کا

اجل کی سختیوں کا ذکر سن کر کچھ ہنسی آئی
کسی کم بخت پر پہلا جو دن گزرا جدائی کا

ذرا دن سے چراغوں کو جلا لوں گر تو بہتر ہے
یقینی آج پھر سے سامنا شام جدائی کا

اندھیرا بڑھ رہا ہے سر کو کھولے میری تربت میں
یہاں بھی سامنا کیا ہے اسے شام جدائی کا

ستانے سے کسی کے چین اے جاوید ملتا ہے
کروں گا بھول کر شکوہ نہ اس کی بیوفائی کا

باغباں اب بھی نہ دیکھو وہ سوئے گلزار یہ کیا
ہوں ہا ہو کے حقیقت میں گرفتار یہ کیا

مر کے وہ سہل ہے جو تھا ابھی دشوار یہ کیا
سوئے جاتے ہیں ترے ہجر کے بیمار یہ کیا

آخر اب کیا کریں ہر روز کے مرنے والے
جان لینے کو اجل آتی ہے اک بار یہ کیا

کچھ مزا ایسا ہی اسمیں کہ تڑپ جاتے ہیں
درد کو ڈھونڈتے ہیں خود ترے بیمار یہ کیا

نقش پا تھے نہ یہ آنسو تھے نہ آئینوں کے عکس
گر کے بستر سے نہ اٹھے ترے بیمار یہ کیا

کیا تڑپنا مرا دیکھا نہیں جاتا جاؔوید
برق گرتی ہے تڑپ کر سرِ دیوار یہ کیا

وہ بھی گریاں صورتِ شبنم رہا
میرے مرجانے کا برسوں غم رہا

ہاتھ رکھے تمھارے سینے پہ کون
رات کو کچھ دردِ دل کا کم رہا

بڑھ رہی ہے مہربانی یار کی
میرے مرجانے میں عرصہ کم رہا

دیکھ لینا آج مرجائیں گے ہم
گر نگاہوں کا یہی عالم رہا

آئی کب جاؔوید ملنے کو اجل
آج شاید دردِ دل میں کم رہا

تڑپ کے سامنے جب کوئی نامراد آیا!
زمانہ اپنی محبت کا ہم کو یاد آیا

میں دل کو ڈھونڈھ رہا ہوں میانِ کنجِ لحد
کہاں یہ بھول گیا تھا کہاں یہ یاد آیا

میانِ حشر رہے کیوں نہ سر جھکائے ہوئے
زمانہ اپنا ستم گر کو آج یاد آیا

مری لحد کی خموشی نے جب دیا نہ جواب
سکوتِ وصل کی شب کا کسی کو یاد آیا

مقامِ شکر ہے اے ناامیدیٔ دلِ زار
میں بھولی بات کے مانند اس کو یاد آیا

مجھے تھے وہم ہزاروں کسی کے بچپن سے
ہزار شکر کہ مرنا نہ میرا یاد آیا

بیان کرکے قیامت میں قصۂ فرقت
میں کہہ رہا ہوں کہ کچھ آپ کو یاد آیا

یہ کس طریق سے کلیاں کھلیں میانِ چمن
مجھے تو نیم تبسم انھیں کا یاد آیا

لحد کو ٹھوکریں ماریں نہ ساکنانِ چمن
خرامِ نازِ ستم گر کا ہم کو یاد آیا

ہوا نے شام سے کیوں گل کیے چراغِ لحد
سماں وصال کی شب کا کسی کو یاد آیا

ثواب ہوگیا آخر میں ہر گناہ مرا
خدا بتوں کے ستانے سے مجھ کو یاد آیا

نہ فنِ شعر سے مدت سے کام تھا جاؔوید
گئے شباب کی مانند آج یاد آیا

جہاں میں کوئی نہ معشوق تھا شباب ایسا
زمانہ یاد ہے اس بیوفا کا خواب ایسا

نہ بار بار سر بزم آئینہ دیکھو!
میں جانتا ہوں کسی کا نہیں شباب ایسا

ہے محو خواب گراں دن کو سبزہ گلشن!
ہمیں تو شب کو میسر نہیں ہے خواب ایسا

اُمید وصل ہو مایوس ہو کے کیوں رخصت!
مرے سوال کا کیوں دیجئے جواب ایسا

پس فنا وہ پکارا کیئے نہ ہم بولے!
سکوت کر کے کوئی دے تو دے جواب ایسا

خیال ہے خط تقدیر ہے پڑھوں کیونکر!
لکھا ہے اس نے خط شوق کا جواب ایسا

انھوں نے دیکے تسلی یہ کیا کیا اے ہجر!
ہمارے دل کو نہ پہلے تھا اضطراب ایسا

قدم قدم پہ ترے پس رہے ہیں دل سب کے
خدا کسی کو نہ عالم میں دے شباب ایسا

اب ایک نزع کی الجھن سی کیا میں گھبراؤں
ہزار بار ہوا ہوگا اضطراب ایسا

عجب مزے کی مجھے نیند آئی وصل کی شب
کسی نے آنکھ سے دیکھا نہ ہوگا خواب ایسا

نظر سے ایک کی اب ایک کو بچائے خدا
ستم تو ہے یہی تم ایسے اور شباب ایسا

یہ نامہ بر نے کہا پھر نہ مجھ کو زحمت ہو
حضور آج تو لکھ دیجئے جواب ایسا

فقیر پھر در دولت پہ کس لئے بیٹھیں
اُمید قطع ہو دیدیجئے جواب ایسا

پکارتی ہے یہ قاصد کی شوخی رفتار
یہ خوش پھرا ہے ملا ہے کوئی جواب ایسا

یہ اُلٹے پاؤں پھرا کچھ سنا کے جاوید
علی کا تابع فرماں ہے آفتاب ایسا

دل گیا گر پاس سے تو کیا گیا!
لوگ کہتے ہیں چلو صدقہ گیا

اسقدر چپ چپ نہ دیکھا تھا کبھی
دیکھ کے تصویر کو پیار آگیا

بھیجتا ہوں آج نامہ سوئے دوست
موت کا ہنگام شاید آگیا

ہے ابھی بچپن گلا کاٹیں گے کیا
رحم کچھ آنے کو ہے کچھ آگیا

دے لوں خود ہی کچھ تسلی کے جواب
حال کہتے کہتے دم گھبرا گیا

شیشۂ مے کی طرح عاشق بھی تھے
راز دل آخر زباں پر آگیا

دور تھا تربت سے بھی صحرائے حشر
چلتے چلتے دم لبوں پر آگیا

اور الجھن نزع میں دل کی بڑھی ‏— جب رگیں کھنچنے لگیں گھبرا گیا
بات کھوئی عشق کی واہ اے کلیم ‏— جس کی صورت دیکھ لی غش آ گیا
پاس لے جاوید کوئی بھی تھا ‏— زنگ سے چہرے پہ کب ٹھہرا گیا

کہتا ہوں کہ حال دل مضطر نہ کہوں گا ‏— قسمت جو بگڑ جائے تو کیونکر نہ کہونگا
دھمکاتے ہیں مجھ کو کہ وہاں بھی تو کہونگا ‏— اب اُن کو کبھی فتنۂ محشر نہ کہوں گا
چہرے کی مرے پاس ذرا دیکھتے رہنا ‏— اُمید پہ حال دل مضطر نہ کہوں گا
افسانۂ ماتم مرے مرنے سے ہوا ختم ‏— اتنا تو کہوں گا جو بڑھا کر نہ کہونگا
مرنے پہ بھی یہ مرے سینے پہ ہونگے ‏— یوں کہنے کو حال دل مضطر نہ کہونگا
کچھ یاد نے غیروں کی دیئے ہیں ایسے دھوکے ‏— دل کو کبھی اللہ کا میں گھر نہ کہونگا
افسانۂ ماتم کی گرانقدر ہیں لفظیں
اکبار یہ سن لو کہ مکرر نہ کہوں گا

دل کے پہلو میں ہے گہرا زخم ان کے تیر کا! ‏— دید کے قابل ہوا اب ایک رخ تصویر کا
شمعیں بجھتی ہیں وہ گھر جاتے ہیں تالے کھچتے ہیں ‏— دم نکلنے کو ہے پھر شاید کسی دلگیر کا
دل کی سب ٹوٹی رگیں جاوید اب ہیں تار آہ
دم بڑی مشکل سے نکلا تھا کسی دلگیر کا

عاشق کو ترے جی سے گذرنا نہیں آتا ‏— سب آتا ہے کم بخت کو مرنا نہیں آتا
پرسش پہ مرے خون کی کیا ہوگا دم حشر ‏— ہے یہ بھی قیامت کہ مکرنا نہیں آتا
تصویر مری دیکھ کے فرماتے ہیں اکثر ‏— کمبخت کو شکوہ بھی تو کرنا نہیں آتا
شہرگ کے قریں ہاتھ نہ آتا ہے نہ خنجر ‏— بچپن سے تمھیں ذبح بھی کرنا نہیں آتا
جاوید کا دل طعن سے توڑو نہ سر بزم
ہم خود بھی تو قائل ہیں کہ مرنا نہیں آتا

--- ۰ ---

وعدہ تو کیا تھا پہ سر شام نہ آیا
تھا جس سے مجھے کام وہی کام نہ آیا

دل پھر کے نہ آیا نہ اجل آئی نہ وہ آئے
سچ ہے کہ مصیبت میں کوئی کام نہ آیا

اک وہم نیا لیکے زمانے سے میں جاتا
لب پر مرے اُس وقت ترا نام نہ آیا

تربت میں تڑپتا ہوں ہوں تو فرماتے ہیں ہنس کر
کمبخت کو مرنے پہ بھی آرام نہ آیا

ہاتھ ان کے الجھتے ہیں گلا کٹ نہیں سکتا
اب کون کہے یہ کہ کوئی کام نہ آیا

سب رات کٹی جاگتے ہی جاگتے آخر
جاوید وہاں سے کوئی پیغام نہ آیا

کون وہ دن تھے اپنی قسمت پہ مجھے جب ناز تھا
تھی پری شیشے میں یا دل میں کسی کا راز تھا

دل ہر اک کا زلیخا جیسا جہاں پایا محل!
وہ کہیں جلوہ کہیں آواز ہی آواز تھا

کھلتی کلیوں کا تبسم دیکھ کر یاد آگیا
ایک ظالم کے بھی ہنسنے کا یہی انداز تھا

زلزلے آ آکے کیوں تربت میں دیتے ہیں خبر
اس سے واقف ہوں جو تیری چال کا انداز تھا

الوداع اے حسرت پرواز اب اڑنا کہاں
پر وہی پہلے کٹے طاقت پہ جن کی ناز تھا

کس کی قسمت جاگتی ہے کچھ بتا اے بیخودی
کون کس کے گھر میں شب کو محو خواب ناز تھا

کیوں ناز ہے اس پر کہ ہے انداز غضب کا
آئینے کی عادت ہے کہ منہ دیکھ لے سب کا

دل کو مرے کہتے ہیں برا آج سر بزم
اب میری نظر میں یہی موقع ہے طلب کا

محشر میں قدم کیوں نہیں رکھتے ہو میں پر
جو عاشق رفتار تھا وہ مر گیا کب کا

گھرا کبھی پردہ کئے وہ سامنے آنا
مرکز بھی نہ بھولے گا مزہ بزم طرب کا

کیوں برق مرے سامنے تڑپی سر گردوں
یاد آگیا انداز تری شوخی لب کا

یہ بات نئی ہے کہ ہیں دو داغ جگر میں
اک ہجر کی شب کا ہے تو اک وصل کی شب کا

بس بس نہ چلو یوں کہ اٹھتا ہے زمانہ
معلوم ہوا بس کہ ہے انداز غضب کا

پہلے کی محبت کا نظر میں نہیں جلوہ   افسردہ وہ مدت سے ہے جو داغ ہے جب کا
پہلو میں نہ اب دل ہے نہ آنکھوں پہ ہے قابو
جاویدؔ تمھیں کیوں یہ خیال آگیا کب کا

اب وہ شراب زورِ مقدر سے مانگ لے   توبہ کے بعد ساقیِ کوثر سے مانگ لے
پھر شوق سے رگوں میں لہو دوڑنے لگے   دو گز زمین کوچۂ دلبر سے مانگ لے
سُرخی پہ اپنی خونِ جگر کو ہے ناز کم   شوخی نگاہ چشمِ فسوں گر سے مانگ لے
جاویدؔ برق کو جو تڑپنے کا شوق ہے!
کچھ بیقراریاں دلِ مضطر سے مانگ لے

چمک کے سامنے جب آفتاب آئیگا   ہمارے داغِ جگر سے حجاب آئیگا
اسی اُمید پہ خط اُن کو اور لکھونگا   کبھی کسی نہ کسی کا جواب آئیگا
ہٹادے کوئی کفن بھی ہمارے چہرے سے   سنا ہے قبر پہ وہ بے نقاب آئیگا
یہ بچپنے کی ہے تصویر اس کو رہنے دو   ہنسیں گے وہ بھی جو ان پہ شباب آئیگا
ہزاروں حشر کے دن ساتھ دینے والے ہیں   مجھے نہ جُرمِ گنہ سے حجاب آئے گا
نگاہِ تند نے توڑا ہے دل تو کیا نقصاں   پہن کے جامۂ نو پھر حباب آئے گا
یہ اور بات کہ ہم کو ہو دید کا شکوہ   میانِ حشر تو وہ بے نقاب آئے گا
گواہ اس پہ ہیں دونوں کھُلی ہوئی آنکھیں   فنا کے بعد بھی مجھ کو نہ خواب آئے گا
تمام عمر کی عادت ہے چھُٹ نہیں سکتی   مجھے لحد میں بھی مشکل سے خواب آئیگا
میں ایک رات جو سویا تو عمر بھر رویا   تمہارے سر کی قسم اب نہ خواب آئیگا
ادھر لبوں پہ دم آیا ادھر گئیں آنکھیں   سُنا ہے اب مرے خط کا جواب آئیگا
بلا کشانِ محبت کا حال مرگ نہ پوچھ   جو نیند اُڑائیگا سب کی وہ خواب آئیگا

دل و جگر مرے کھینچ کھینچ کے لب تک آنے لگے — کسی کا شباب آئیگا

پھر انتظار ہے قاصد کا کس لیئے جاوید

لکھا ہے بخت میں جو وہ جواب آئیگا

غیر کیوں آج اس نے حال کیا — کس نے دُنیا سے انتقال کیا

دست نازک میں درد ہونے لگا — آپ نے کیوں مجھے حلال کیا

سُرمہ دے کر نگاہ ترچھی کی — کس چُھری سے مجھے حلال کیا

اب تو دل میں نہیں کوئی حسرت — اس نے لاشہ بھی پائمال کیا

کون تیرا نظیر ہے جاوید

تجھ کو خالق نے باکمال کیا

کچھ ذرہ ہائے خاک سے اسکا نشاں ملا — دل ہاتھ سے گیا تھا کہاں اور کہاں ملا

دامن پہ آنسوؤں کا ہمیں کہکشاں ملا — منزل پہ بھی پہنچ کے نہ یہ کارواں ملا

اس نقش پا کے ساتھ دل ناتواں ملا — سو سو جگہ یہ یوسف بے کارواں ملا

یوں کچھ جلے ہوئے مرے دل کا نشاں ملا — کم کم کہیں پہ بو تو کہیں پر دھواں ملا

منہ پر وہ کہہ دیا مرے چہرے کا تھا جو رنگ — مانند آئینہ نہ کوئی ہمزباں ملا

رکھے تڑپ کے میں نے کلیجے پہ دونوں ہاتھ — دامن جب بہار کے دست خزاں سے ملا

حسرت بھری نگاہ سے دیکھا سوئے جہاں — جب خاک میں غبار رہ کارواں ملا

سمجھا کہ مثل نبض رہا ساتھ عمر بھر — خوش ہو گیا جو پھر سے دل ناتواں ملا

بجلی تڑپ تڑپ کے اسی سمت کو گری — گلشن میں جس طرف کو مجھے آشیاں ملا

سقف لحد کو دل کے مُردہ ہوا ہی دل — ہم کو نئی زمین نیا آسماں ملا

سُرخی نے ان کی آگ لگا دی جہان میں — پھولوں پہ بُلبُلوں کے لہو کا نشاں ملا

تنہا چلا تھا میں ترے کوچے کی سیر کو — رستے میں حسرتوں کا بھی اک کارواں ملا

مجموعۂ خیال پریشان کیوں نہ ہو ! ٹکڑا الگ جو دل سے ہوا وہ کہاں ملا
پہچاننے میں بھی مجھے دقت بہت ہوئی آنسو ٹپک پڑے جو دل نیم جان ملا
نکلے دل و جگر سے جو ناوک تو سرخ تھے تھوڑا لہو یہاں یہ ملا کچھ وہاں ملا

جاوید جاہلوں سے کسے بحث کا دماغ
کچھ اس سے بات کی جو کوئی ہم زباں ملا

ان کو جی بھر کے پیار کرنا تھا ! جو ارادہ تھا کر گزرنا تھا
ادھر آئی ادھر گئی شب وصل ! اس کو کچھ دیر تو ٹھہرنا تھا
وہ اگر آئے تھے سر بالیں ! دم کو کچھ دیر تو ٹھہرنا تھا
اپنی حسرت کہ لاش اٹھانے وہ آئیں دل کو مرنے سے پہلے مرنا تھا
اس کی ہمت پہ آفریں کہیئے دن میں سو بار جس کو مرنا تھا
ہاتھ سینہ پہ ان کا تھم جاتا دل مضطر کو کچھ ٹھہرنا تھا

منہ اٹھا کر کدھر چلے جاوید !
اسی دروازے پر ٹھہرنا تھا

تیرا وہ اے شباب زمانہ کدھر گیا تصویر اپنی دیکھ کے چہرہ اتر گیا
سر کھولے پھر رہی ہے اداسی ہر ایک سمت آباد جس کے دم سے یہ گھر تھا وہ مر گیا
آنکھوں کے بند ہوتے ہی راہ عدم ملی کیا جلد زندگی کا زمانہ گزر گیا
میری بہار قبر خزاں ہو گئی تو کیا تم نے تو پھول چن لئے دامن تو بھر گیا
کمبخت اس طرح بھی نہ آیا مجھے قرار وہ مضطرب ہوئے جو مرا دل ٹھہر گیا
زنداں کے روزنوں پہ اداسی سی چھا گئی کوئی اسیر قید میں گھٹ گھٹ کے مر گیا
یوں جب ملا خموش تھا تصویر کی طرح کیا بات تھی کہ خواب میں باتیں وہ کر گیا
منت کے طوق اتار رہے ہیں گلے سے وہ مرنا کسی کا آج اثر دل پہ کر گیا

جاوید روز حشر مجھے کچھ الم نہیں
اتنے دنوں میں زخم کلیجے کا بھر گیا

کچھ آنسو لے گئے ہمراہ کچھ حصہ تھا پیکاں کا
تمہیں انصاف سے دیکھو کہ دل کتنا تھا انساں کا

گلوں نے باغ عالم میں گریباں اپنے پھاڑے ہیں
کہاں پہنچا ہے آوازہ میرے چاک گریباں کا

بنی تھی رہگذر میں قبر کیوں پامال ہونے کو
کرے کس منہ سے اب شکوہ کوئی اس آفت جاں کا

وہ بلبل ہوں جسے مشق تصور پر بھی غرہ ہے
نظر کے سامنے کھنچ آئیگا تختہ گلستاں کا

ہیں جتنے دانہ تسبیح سب پہلو بدلتے ہیں
نہ دیکھا ہم نے دل ملتے ہوئے اس طرح انساں کا

اداسی چارہ گر کے منہ پہ جب آتے ہوئے دیکھی
میں سمجھا یہ کہ ٹوٹا زخم کا میرے کوئی ٹانکا

پڑے ہیں جب سے زخم و داغ دل میں اک قیامت ہے
کبھی چھوٹا کوئی پھاہا کبھی ٹوٹا کوئی ٹانکا

گلے سے خود لگایا دیر تک اٹھتی جوانی نے
مزاج اب آج سے کچھ اور ہے اس وقت جانا کا

نہ ہم سا پا شکستہ اور سرگشتہ کوئی گزرا
کبھی اٹھا کبھی بیٹھا غبار اپنے بیاباں کا

لگا جاتا تھا آ کر چارہ گر سو بار دن بھر میں
نہیں معلوم کیا ہوتا تھا پھاہا داغ سوزاں کا

کٹے گی قید اس کو قبر گر چھوٹا اسیری سے
مآل اچھا نظر آتا نہیں محبوس زنداں کا

خدا شاہد غزل دم بھر میں اے جاوید کہہ ڈالی
ہوا تھا حکم مجھ کو ایک مشاق سخنداں کا

چین بر چین شکن ہے بستر بھی خواب کا
نقشہ کھنچا ہوا ہے مرے اضطراب کا

آنا وہ ان کا شام کو جانا وہ صبح کو
اک وقت تھا سکون کا اک اضطراب کا

وہ دل لگی ولولے وہ خود اپنی نظر کا خوف
جانا وہ بچپنے کا وہ آنا شباب کا

کچھ دل یہ کہہ رہا ہے کہ ترسیں گے ہم یونہیں
باقی ہے ایک تار بھی جیب نقاب کا

دامن پہ خود مرے آنسو ٹپک پڑے
شاید چھلک گیا کہیں ساغر شراب کا

آخر وہ آ کے اب مرے لاشہ پہ کیا کریں
موقع نہ رحم کا نہ محل ہے عتاب کا

تصویر آج ہم نے جوانی کی دیکھ لی ! — پیری میں کام آگیا کھنچنا شباب کا
مایوس نامہ پہ بھی پھرا کوئی یار سے — رفتار ہی سے حال کھلا ہے جواب کا
ہے جن کو درد غیر کے غم میں شریک ہیں — تڑپی جو موج ٹوٹ گیا دل حباب کا
ہو گل سیاہ خانہ عاشق کا حال کیا — جب شام کو بجھے گا چراغ آفتاب کا
کہتا ہے نامہ بر مجھے تکلیف پھر نہ ہو — اُمیدوار آج ہوں ایسے جواب کا
کیوں ٹھوکریں کسی کی لحد کو لگائیے — معلوم ہے کہ آگیا موسم شباب کا
کھولی گئی نہ آنکھ تصور کے بیں نثار ! — انداز دیکھ کر کسی ظالم کے خواب کا
مستوں کے دل کا خون بھی اسمیں شریک ہے — بہتا ہے میکدے سے جو دریا شراب کا
مطلب یہ ہے کہ ہو نہ چھلکنے کی بھی خبر ! — پیتا ہوں منہ کو پھیر کے ساغر شراب کا
سوئے ہیں جب سے روٹھ کے ہیں اسکی سمت ہاتھ — انداز ہی جدا ہے حسینوں کے خواب کا
اس وقت درد اٹھا ہے یہ ہے شکر کا مقام — جب رکھ چکا تھا ہاتھ سے ساغر شراب کا
جی بھر آج دیکھ لوں صورت تو آپ کی — جب ذبح ہو رہا ہوں تو ڈر کیا عتاب کا
ایسا نہ ہو کہ آئے مجھے ہوش ان کو غش — نازک بھی ہیں لئے بھی ہیں شیشہ گلاب کا

جاوید کیا کرے یہ گنبد سے آنکھ چار
ذرہ ہے آفتاب در بوتراب کا

دل افسردہ کا ارمان نکلنے نہ دیا ! — جس طرح چاہئے تھا شمع کو جلنے نہ دیا
نہ وہ ہم تھے نہ طبیعت نہ وہ دل تھا نہ مزاج — رعب محفل نے تو زانو بھی بدلنے نہ دیا
ایک حالت پہ رہیں ہم یہ بہت مشکل ہے — دل کی بیتابیوں نے جی بھی بہلنے نہ دیا
مسکرانے کی ادا روح نے بھتیم کر دیکھی — جان لے لے کے مرا دم بھی نکلنے نہ دیا
گر ہنسی آئی بھی کم کم تو قیامت کیا تھی — کھلتی کلیوں کا بھی ارمان نکلنے نہ دیا
دل کے کچھ آبلے اس وقت بڑھے جاتے ہیں — کوئی آنسو مری آنکھوں سے نکلنے نہ دیا

بچپنا ہے کہ جوانی ہے بتادیتی ہو حال — کس نے تربت پہ مری انکو ٹہلنے نہ دیا
آپ کے ظلم نہ دیکھے کہ چلا دنیا سے — میں نے بھی آپ کا ارمان نہ نکلنے دیا

باغباں پھول بھی دو چار نہ لایا جاوید
دل اسیروں کا قفس میں بھی بہلنے نہ دیا

ہے بند زباں تیر کی یہ حال ہے ڈر کا — مانے ہوئے لوہا ہے مرے زخم جگر کا
پیکاں کے جلا دینے کے قابل یہی دو تھے — یا آگ مرے دل کی تھی یا خونِ جگر کا
وہ جائیں تو ہو وضع میں عالم کی تغیر — پہلے مرے چہرے کے اڑے رنگ سحر کا
سو رنگ بھرے دیتا ہے تصویر میں پیہم — کیا ڈر ہے مصور کو مرے دیدہ تر کا
سینے میں سفیدی بھی سیاہی بھی ہے کم کم — اک داغ شبِ ہجر کا ہے ایک سحر کا
وہ گھر کی اداسی وہ نگاہوں کا طلاطم — جانا وہ ترا پاس سے آنا وہ سحر کا

دونوں کے ماتھے پہ کچھ کم کم پسینہ ایک تھا — ان کے اور کلیوں کے ہنسنے کا قرینہ ایک تھا
حضرت قارون مآل حرص دنیا ہے فنا — جس کو ڈھونڈھا خاک ہو کر وہ دفینہ اور تھا
غرقِ دریائے خجالت جو ہوا تھا لاکھ بار — تھا شکستہ گو یہ وہ دل کا سفینہ ایک تھا
خود بخود آنکھیں بھری جاتی ہیں دروا سمت لینے کی — وصل کی شب اُن کے آنیکا قرینہ ایک تھا
دیکھی تربت کی سیاہی اور شبِ فرقت کی بھی — مختصر یہ ہے کہ دونوں کا قرینہ ایک تھا

جب مکرر بوئے مے سونگھی ہوا جاوید نشہ
کیا مزا ہے دیکھ لینا اور پینا ایک تھا

بعد فراق سامنا ہوگا وصال کا — دنیا کی اک خوشی ہے نتیجہ ملال کا
آخر میں پھر وہی ہے نتیجہ ملال کا — اک داغ ہے فراق کا اک ہے وصال کا
جو موج ہے چڑھی ہے مرے دل کے واسطے — رکتا نہیں کسی سے بھی دریا خیال کا

نبضیں بھی رک کے رہ گئی ہیں صورتِ نفس
اب ہے قریب وقت مرے انتقال کا !

بیکار اے کلیم تھا اظہارِ شوق دید
اچھا ملا جواب تمہارے سوال کا

وہ آئے میرے لاشہ پہ اللہ رے بچپنا
ہر اک سے پوچھتے ہیں سبب انتقال کا

آنکھوں سے وہ نہاں ہیں مگر سامنے بھی ہیں
دکھلاتا ہے ہلال تصور ہلال کا

تم پاس سے ہٹو مجھے سو طرح کے ہیں وہم
دم ہے جوان کا اور ہے وقت انتقال کا

میں تو شگونِ بد پہ نظر کر کے رہ گیا
مجھ سے جلا چراغ نہ شام وصال کا

جاوید خاک اڑ رہی ہے دل میں ہر طرف
آئینہ آج کل ہے مکدر خیال کا

واں خوشی یہ کہ اشاروں میں بھی شکوہ نہ ہوا
یاں یہ ہے درد کہ اظہار تمنا نہ ہوا

دم گھٹا قبر ہوئی بند بجھی شمع لحد
بے خبر آپ رہے اور یہاں کیا کیا نہ ہوا

دیکھ پایا کہیں مجنوں نے کہ جو ساتھ رہا
میں سمجھتا ہوں کہ لیلیٰ سے بھی پردہ نہ ہوا

بیکسی دل مردہ پہ نہ کیوں کر روؤں
موت وہ موت ہے جس کا کوئی چرچا نہ ہوا

حسن بھی آپ کے چھپنے کی ادا بھی دیکھی
جس طرح چاہیے تھا آپ سے پردہ نہ ہوا

داغ فرقت کو کلیجے سے نہ کیوں لپٹاؤں
یہ وہ غم تھا جو نصیب دل اعدا نہ ہوا

کچھ نئی طرح سے ٹوٹا ہوا دل جوڑ لیا
وہ گرہ غم کی بنا راز جو افشا نہ ہوا

جان اے حضرت جاوید عبث دی تم نے
کوئی یوں حسن دل افروز پہ شیدا نہ ہوا

اب کوئی دل میں داغ بھی نہ رہا !
قابل سیر باغ بھی نہ رہا !

ہر طرف کو خزاں کا دخل ہوا
دل مرا باغ باغ بھی نہ رہا

رات کو خیر تھا کوئی دل سوز
صبح کو وہ چراغ بھی نہ رہا

داغ دل پر مجھے ہوا اک ناز
جب لحد پر چراغ بھی نہ رہا

جس جگہ پر گری تھی برق جمال
وہاں روشن چراغ بھی نہ رہا

شعر پہلے سے کیا کہیں جاوید
اب وہ خالی دماغ بھی نہ رہا

دل سوزان عاشق مخزن رنگ وفا ہوگا
وہ حصہ قدر کے قابل ہے جتنا جل گیا ہوگا

چلے تھے درد کو سن کر تھمے یہ کہہ کے رستہ میں
نہ جانا اب مناسب ہے وہ کب کا مر گیا ہوگا

یہ اک بوسے پہ اتنی بحث یہ زیبا نہیں تم کو
نہیں ہے یاد مجھ کو خیر اچھا لے لیا ہوگا

چھڑی تھیں حسن کی بحثیں ادھر چاند اور ادھر تم تھے
کسی کو دیکھ کر بے پردہ کوئی چھپ گیا ہوگا

اندھیرے گھر کی کچھ پروا نہیں ہے تیرہ بختوں کو
تم آؤ قبر پر روشن چراغ نقش پا ہوگا

مروت کی تو صورت بھی نہیں دیکھی ان آنکھوں نے
اگر دھمکاؤں مرنے پر تو کہہ دے گا کہ کیا ہوگا

تماشا جانکنی کا کیوں نہ دیکھا دیکھ تو لیتے
رگیں جتنی کھچی تھیں دم بھی اتنا ہی کھچا ہوگا

تم آؤ دیکھنے والا نہیں کوئی سر مدفن
چراغ قبر افسردہ تھا کب کا بجھ گیا ہوگا

ابھی تو آگ سینے میں کہیں کم ہے کہیں زائد
اگر مل جائیں گے اس میں یہ سب چھالے تو کیا ہوگا

چمک اٹھی جو میرے زخم دل میں کیا کیا مت پوچھ
فلک پر چاند نکلا ہوگا یا کوئی ہنسا ہوگا

ہمیں سے پوچھ لو کیسے ہو تم اور حسن کیسا ہے
اگر آئینہ کو دم بھر نہ دیکھو گے تو کیا ہوگا

غم فرقت کا کیا شکوہ قیامت آنے والی ہے
خدا کے سامنے آخر تو اک دن سامنا ہوگا

یہی جاوید بہتر ہے کہ اب توبہ سے کر توبہ
وہی چھپ کر پیے گا جو تجھ سا پارسا ہوگا

ہزاروں بار تم تو کر چکے تھے امتحاں میرا
کیا کیوں چاک سینہ دل تھا پہلو میں کہاں میرا

نہ کم کم چاندنی ہے اب نہ تارے ہیں نہ رونق ہے
سحر کے ہوتے ہی بدلا ہوا ہے کچھ مکاں میرا

اٹھائیں دست نازک سے وہ خنجر ذبح ہوتا ہوں
میں کر یوں امتحاں ان کا وہ کر لیں امتحاں میرا

خدا محفوظ رکھے سینکڑوں وسواس آتے ہیں ! نہ ہنس ہنس کر وہ دیکھیں زخمِ قلبِ خونچکاں میرا
ستارے جھلملاتے ہیں تو شمعیں بجھتی جاتی ہیں سحر کے پہلے گھر جانے کو ہے کیا کارواں میرا
درِ جاناں پر آکر حسرتیں بھی مر گئیں دل کی پہنچ کر آج منزل پر لٹا ہے کارواں میرا
چراغِ عالم افروزِ جوانی بجھ گیا شاید لحد سے کم نہیں ہے بڑھ کے کچھ ایسا مکاں میرا
کہیں ایسا نہ ہو مر جاؤں میں حسرت ہی حسرت میں جو لینا ہے تو لے لے اب سے پہلے امتحاں میرا
تڑپ کر برق گرنے کی ادا خود مجھ سے کہتی ہے دھواں اٹھنے سے پہلے جل چکا تھا آشیاں میرا
ادھر پچھلے پہر کی چاندنی نے خود کفن پہنا ادھر رخصت ہوا گھر سے مرے وہ میہماں میرا
گری بجلی تو میں نے آسماں کو یاس سے دیکھا نہیں معلوم میں پہلے جلوں یا آشیاں میرا

جگر میں جو کہ چبھتے تھے وہی جاوید کام آئے
الجھ کر رہ گیا کانٹوں میں آخر آشیاں میرا

نہ آئے وہ پسِ وعدہ تو انتظار رہا حیات کا نہ انھیں کا کچھ اعتبار رہا
یہ التہاب کی حد تھی کہ لو نکلنے لگی بہت دنوں جو کسی آبلے میں خار رہا
بنے ہیں گھر میں نشاں ایڑیاں رگڑنے کے اسی زمین میں کوئی شب بے قرار رہا
مجھے یہ چاہیئے دونوں طرح کہ مر جاؤں وہ کیوں رقیب کے ماتم میں سوگوار رہا
ہیں تنگنائے جہاں کی شکایتیں جا بیجا یہ زندگی تھی کہ ہر وقت اک فشار رہا
ہر اک کو آج سے مرنے کا ہو گیا اک شوق وہ اس طرح مرے ماتم میں سوگوار رہا
کھلی ہوئی مری آنکھیں گواہ ہیں پسِ مرگ کہ عمر بھر ترے آنے کا انتظار رہا
بڑھا ہے اشک کا دریا ستارے ڈوبتے ہیں نہ دل کا اور نہ ان کا کچھ اعتبار رہا
ہنسا کے دل کو جو رلایا یہ کیا کیا تو نے تسلیوں کا بھی تیری نہ اعتبار رہا

جو کل علیل ہوئے تھے وہ آج مر بھی گئے
نہ کوئی زیست کا جاوید اعتبار رہا

خال رخ بھی فلک حسن کا تارا ٹھہرا
روشنی بخش چراغ ید بیضا ٹھہرا

دل کو واپس جو کیا درد کا مارا ٹھہرا
اب تمہارا نہ یہ ٹھہرا نہ ہمارا ٹھہرا

گرہ رشتۂ انفاس تھا ہر آنسو بھی
گھٹ کے قطرہ ہوا بڑھنے پہ یہ دریا ٹھہرا

دست نازک پہ مدار نفس آخر تھا
ہاتھ ان کا جو تھما دل بھی ہمارا ٹھہرا

جھلملاتی ہوئی شمعوں کو پسینہ آیا
دیر تک سامنے کیوں صبح کا تارا ٹھہرا

تختۂ مشق ستم وجور بنا لیتے وہ
خیر اچھا یہ ہوا دل نہ ہمارا ٹھہرا

مہندی ملنے پہ دکھائے گئے اغیار کو ہاتھ
آج پھر رنگ حنا خون تمنا ٹھہرا

جی گئے نزع میں ہم ان سے فقط یہ سن کر
آج کچھ کل سے اترتا ہوا چہرہ ٹھہرا

خانۂ دل میں اڑی خاک جو ارماں اٹھے
یہ تو آبادیاں بڑھنے پہ بھی صحرا ٹھہرا

جس کو دیکھو مرے بالیں سے نہیں ہٹتا ہے
دم نکلنا نہ ہوا کوئی تماشا ٹھہرا

مرتے دم اور تو اتنا بھی نہ آیا کوئی کام
خیر کچھ دیر تو ماتھے پہ پسینہ ٹھہرا

مژدۂ آمد محبوب و سکون دل زار
زندگی کا یہی آخر میں سہارا ٹھہرا

دل وہیں بیٹھ گیا نبض وہیں ڈوب گئی
جب کنارے پہ سفینہ نہ ہمارا ٹھہرا

دل کی بے تابیوں پر آ گیا رونا جاوید
مشکلوں سے جو کسی ظرف میں پارہ ٹھہرا

رنگ اشاروں میں بدل جاتا ہے میخانے کا
گردش چشم سیہ دور ہے پیمانے کا

دور پہنچا ہے اثر شمع کے جل جانے کا
خون سوکھا ہوا مدت سے ہے پروانے کا

نزع کے وقت ہو پھر وصل کا وعدہ جھوٹا
ابھی موقع ہے مرے سر کی قسم کھانے کا

ہچکیوں کا جو گماں قلقل مینا پہ ہوا
یاد آیا انھیں مرنا کسی دیوانے کا

پاس سے تم جو اٹھے رنگ زمانہ بدلا
درد کو مل گیا پہلو مرے تڑپانے کا

ابتدا سے ادب آموز جنوں تھا میں تو
ہر ورق صفحۂ غم تھا مرے افسانے کا

وہ اِدھر آتے ہیں اور موت اُدھر آئی ہے
نہ تو جینے کا محل اب ہے نہ مر جانے کا

جتنے زنجیر کے حلقے ہیں وہ پیچیدہ ہیں
دم اُلجھ کر کہیں نکلا کسی دیوانے کا

خونِ ناحق کی وہ بُو آئی وہ اُڑنے لگی خاک
پھر تصوّر ہوا دل کو کسی ویرانے کا

اس طرف خانۂ فانوس میں جل جاتی ہے شمع
دم اِدھر گھٹ کے نکل جاتا ہے پروانے کا

لاش اُٹھا لیجے وہ اقرار یہ کھاتے ہیں قسم
ہاں دلِ زار یہی وقت ہے مر جانے کا

نیچی نظریں مری تربت سے الگ رہتی ہیں
سب سے انداز جُدا ہے ترے شرمانے کا

ایک ہی دن میں غزل بھیج دی کہہ کر جاوید
پاس تھا حضرتِ آزاد کے فرمانے کا

جان آ گئی اجل کا جو پیغام آ گیا
آخر کو درد بڑھ کے مرے کام آ گیا

رہ رہ گیا ہر ایک جگہ پر خیال دوست
ٹکڑا ہر ایک دل کا مرے کام آ گیا

سب خط تمام کر چکے پڑھ پڑھ کے شوق سے
واں تھم گئے جہاں پہ مرا نام آ گیا

تصویر کے بھی چہرے پہ سُرخی سی آ گئی
سب رفتہ رفتہ دل کا لہو کام آ گیا

اس پہ پڑ گیا کیا چشمِ آتش بار کا
ہو گیا جل کر سیہ سایہ میری دیوار کا

ناز سے چل راہ تو گورِ غریباں میں سنبھل
کون ہے یاں جو نہیں کشتہ تری رفتار کا

اپنا بازو آپ ہی چوما دفورِ شوق میں
ہاتھ جب پورا لگایا یار نے تلوار کا

رات کو سناٹا بڑھتا ہے اداسی کس طرح
دم کہیں شاید نکلتا ہے کسی بیمار کا

شکرِ وصل و شکوۂ ہجرِ صنم بیکار ہے
سہل ہے دم میں بدل جانا مزاجِ یار کا

تھا یہ پہلو خوب اُن کو بھی سنا کر کہہ دیا
برقِ تابندہ سے حالِ قلبِ مضطر کہہ دیا

رات کیا آئی تنِ بیجان میں جان آ گئی
زلف کا افسانہ کچھ پہلے سے بہتر کہہ دیا

دل سے رخصت ہو گیا خوف و خیال باز پرس — مسکرا کر حال دل کا پیش داور کہدیا
راز کوئی زخم دل سے آگے اور نہ غنچے سے چھپا — اس نے ہنسکر اس نے سب سے مسکرا کر کہدیا

یاد تھا پوری طرح افسانہ ہجر و وصال
کچھ گھٹا کر کہدیا اور کچھ بڑھا کر کہدیا

زندگی کا مزا نہیں ملتا ! — بت ملے تو خدا نہیں ملتا
منزل آخری ہے قبر مری — اب کوئی راستہ نہیں ملتا
خوگر ظلم ہو گیا ایسا — مجھ کو لطف وفا نہیں ملتا
نگہ یاس سے کیسے دیکھوں — دل درد آشنا نہیں ملتا
بات اتنی نہ عمر بھر سمجھے — کیا ملا اور کیا نہیں ملتا

جس کو جاوید اس نے کھویا ہے
اسی دل کا پتہ نہیں ملتا

بے حد زمان قید میں جب طول ہو گیا — رونے میں میں وہ ظلم میں مشغول ہو گیا
فرقت کی رات کٹ نہ سکی روز حشر تک — تھا مختصر بیان مگر طول ہو گیا
سینہ میں آج دل کا کہیں پر پتہ نہیں — ہدیہ کسی غریب کا مقبول ہو گیا
دل میری جان لینے پہ مردہ سا ہو گیا — قاتل کبھی جو تھا وہی مقتول ہو گیا
حسرت دل و جگر کو تڑپنے کی تھی یہ سپرد — ہر اک اپنے کام میں مشغول ہو گیا
آتے ہیں روز قبر پہ غیروں کے ساتھ وہ — دستور کے خلاف یہ معمول ہو گیا

جاوید کوئی آپ کے قابل نہیں ہے شعر
جلدی میں ہر غزل کا یہ معمول ہو گیا

ہو کے آباد اس کی بربادی کا ساماں ہو گیا — خانہ دل حسرتیں نکلیں تو ویراں ہو گیا
صبح نے دم توڑتے دیکھا ہے کس بیمار کو — میری صورت چاک ان کا بھی گریباں ہو گیا

اب بلائیں رخ کی لونگا تو الجھ جائیگے ہاتھ — زلف چہرہ پر جو بکھری دل پریشاں ہو گیا
منھ سے یہ نکلا دل زخمی کی یارب خیر ہو — آنکھ سے جب خون ٹپکا دل پریشاں ہو گیا
بستگی دل کی کھوئی تھی گرہ ہر اشک نے — خون پھیلا آنسوؤں سے تر جو داماں ہو گیا
نصف گردن کاٹ کر کیوں ہاتھ روکا گیا — جائیے بس جس قدر ہونا تھا احساں ہو گیا
تیرگی بخت کو کیوں ساتھ لیکر آئے تھے — اور پہلے سے سوا تاریک زنداں ہو گیا

وہ حسین دل میں ہے اے جاوید دنیا اور ہے
خانہ دل حضرت یوسف کا زنداں ہو گیا

گردش میں آئینہ ہو نہ کیوں روزگار کا — چلو میں خوں لئے ہوں دل بے قرار کا
بھڑکی ہوئی تھی سرخ گلوں سے چمن میں آگ — دامن نہ جل گیا ہو نسیم بہار کا
آئے ہیں لے کے غیر کو وہ پوچھنے مزاج — کیونکر کہوں کہ شکر ہے پروردگار کا
تڑپے گا اب نہ یہ تن بے روح کی طرح — تم نے گلہ کیا تھا دل بے قرار کا
محشر کی بھی امید پہ بیکار جان دی — کیا اعتبار وعدہ بے اعتبار کا
اتنی تو آرزو ہے کبھی یاد کر لیں دوست — شاید کبھی پھر آئے زمانہ بہار کا
ساغر ابل رہے ہیں تو شیشوں میں جوش ہے — نکلا ہے گھٹ کے دم جو کسی بادہ خوار کا
تم آئے کیا کہ رنگ زمانہ بدل گیا — گل ہو گیا چراغ ہمارے مزار کا

تصویر کی رگوں میں لہو دوڑنے لگا
کیا آگیا جہاں میں موسم بہار کا



کیوں مسکرا کے قبر سے وہ نوجواں اٹھا ! ۔۔۔ بجلی گری زمین ہوئی شق دھواں اٹھا
سوجا سے قلب نازک بلبل نہ ٹوٹ جائے ۔۔۔ گلشن سے ہنس کے پھول نہ اے باغباں اٹھا
بیتابیوں کا روکنے والا کوئی نہیں ۔۔۔ سینے سے مرے ہاتھ نہ اے مہرباں اٹھا
پامال جو قدم سے ہو پھر اس میں دم کہاں ۔۔۔ کس طرح سے غبار پس کارواں اٹھا
پس عندلیب سبزۂ گلشن ہے خواب میں ۔۔۔ نالوں سے اپنے سر پہ نہ اب آسماں اٹھا
پروانوں کے جلے ہوئے پر ہیں ادھر ادھر ۔۔۔ کیوں تو سمجھ کے فرش سے چنگاریاں اٹھا
آفت کی مرے خانہ دل میں لگی ہے آگ ۔۔۔ شعلے جو اٹھ چکے تو غضب کا دھواں اٹھا

جاوید کچھ نہ پوچھئے اٹھے گھٹا اگر
دل جن کے جل رہے ہیں وہ سمجھے دھواں اٹھا

قاتل سے مل کے آخر اس کے اثر نے مارا ۔۔۔ مجھے ہنسی ہنسی میں درد جگر نے مارا
امید کا برا ہو سمجھا کہ آپ آئے ۔۔۔ بے وجہ شب کو ہل کر زنجیر در نے مارا
ہم جس کو عمر سمجھے مدت ہی اس کی کیا تھی ۔۔۔ آنا نہ کہنے پائے کس فتنہ گر نے مارا
فرقت کی رات گزری صبح قیامت آئی ۔۔۔ اس شب نے پہلے مارا پھر اس سحر نے مارا
یہ راز بھی کھلے گا سینہ پہ ہاتھ [illegible] گے ۔۔۔ تم کیوں کہو کہ اس کو درد جگر نے مارا

وہ دل جلانے والا تربت پہ شمع لایا
لی بھی خبر اسی نے جس بے خبر نے مارا

سیر دامن سے نہیں قلب پہ قابو اپنا ۔۔۔ غیر کا ہو گیا پہلے جو تھا آنسو اپنا
اور اندھیر نگاہوں میں زمانہ ہو گا ! ۔۔۔ سرمہ آنکھوں کا دکھانے کو ہے جادو اپنا
بیکسی کہتی ہے رونے پہ بھی رو جاؤں ۔۔۔ دلمیں رکھ لوں اسے گر جائے جو آنسو اپنا
دل لہو ہو چکا ہے میں یہ سنے بیٹھا ہوں ۔۔۔ اب خدا خیر کرے سرخ ہے آنسو اپنا
صبح ہوتے ہی نگہ آئینہ پر پڑنے لگی ! ۔۔۔ رات بھر آپ بنایا کئے گیسو اپنا

کیوں ستاتے ہو کبابِ سیر آتشِ دل ہے — دم لو میں خود ہی بدلنے کو ہوں پہلو اپنا
غیر کو مل گیا مضمون نیا اے جاوید
اپنے دیوان پہ بھی اب نہیں قابو اپنا

پہلے تو اس نے ذبح مجھے بے سبب کیا — اب ہاتھ مل رہا ہے کہ یہ کیا غضب کیا
میری بھی بات کھوئی وہ شرمائے آپ بھی — کیوں آئینہ کو دیکھ لیا کیا غضب کیا
باقی مرے گلے کی رگیں رہ گئی ہیں کچھ — اب رحم بھی کیا تو مری جاں غضب کیا
کام اپنا اپنا سب کی نگاہوں نے کر لیا — اس بچپنے کی نیند نے یہ کیا غضب کیا
اتنی بھی میرے سر کی نہ زانوں نے قدر کی — جتنا کہ آئینہ کا مری جاں ادب کیا
اب دل میں آ چلی تھی سکت کچھ جواب کی — چُپ ہو گئے پکار کے یہ کیا غضب کیا
جاوید کچھ ثنا سے نہ کچھ مدح سے غرض
پڑھ آئے شعر جس نے جہاں پر طلب کیا

مہر کا چاکِ جگر دیکھ لیا! — نام کا اپنے اثر دیکھ لیا
پھول مرجھا گئے صبحِ وصلت — شرم کا اپنی اثر دیکھ لیا
کچھ دنوں رہ کے مرے ضبط کا حال — تو نے اے دردِ جگر دیکھ لیا
ہجر کی شب کا نتیجہ ہم نے — مر کے ہنگامِ سحر دیکھ لیا
بس اسی سمت قیامت آئی — حشر میں تم نے جدھر دیکھ لیا
اک نقاب ایک جگر نے میرے — ان نگاہوں کا اثر دیکھ لیا
مر چکا دل تو مجھے موت آئی! — ملک الموت نے گھر دیکھ لیا
لو سنو اور چھپو محفل میں! — ہم نے بھی ایک نظر دیکھ لیا
روئے جاتے ہیں برابر جاوید
دل کے زخموں کا جگر دیکھ لیا

ردیف (ب)

پایا کہیں نہ ناوک جاناں نے بھی پتہ — کیا کام آیا آج مرے دل کا اضطراب

ہے منتہیٰ اس میں جان وہ نذر نگاہ ہے — دیکھا کریں حضور یونہی دل کا اضطراب

میں عذر کر رہا ہوں کہ راحت نہیں ملی — بےچین کر رہا تھا تمہیں دل کا اضطراب

مجھ بیقرار تک ابھی آئی نہیں اجل — بیجا نہیں ہے کچھ مرے قاتل کا اضطراب

عاشق کا دم نکلتے ہوئے تم بھی دیکھ لو — ہے جانکنی ادھر تو اُدھر دل کا اضطراب

صبح شب فراق وہ تاروں کا ڈوبنا — وہ ان کا اُٹھنا پاس سے وہ دل کا اضطراب

اِک راہ سے خوشی ہے کہ ٹکڑے ہوا ہے دل — سوجا یہ بٹ گیا ہے مرے دل کا اضطراب

رکھنے کو ہیں وہ ہاتھ تسلی کیواسطے — کیا یونہی کم ہوا ہے مرے دل کا اضطراب

واماندگان عشق کی لی شوق نے خبر — بیخود کئے ہے دوریٔ منزل کا اضطراب

جاوید سے کے آئینہ صورت تو دیکھ لو — چہرہ بتائے گا جو بڑھا دل کا اضطراب

جائے کیوں سوز دورنگی سے نہ جان عندلیب — ہنس رہے ہیں پھول سن سن کر بیان عندلیب

رسم و راہِ عشق سے کیونکر کہوں واقف نہیں — روز سنتے ہیں چمن میں داستان عندلیب

جذب عشق گل ادھر صیاد کا دام اسطر — کس کشاکش میں ہے جان ناتوان عندلیب

کیوں دم رنگین بیانی ہو نہ اے گلچیں بہار — کچھ رگ گل سے مشابہ ہے زبان عندلیب

ردیف (ت)

بدلی ہے ادھر خون تن زار کی صورت — جامے سے جو باہر ہیں وہ تلوار کی صورت

تقدیر ہنسی اس پہ کہ وصل انکا نہ ہوگا — جو ذہن میں آئی ہے وہ بیکار کی صورت

اس وقت میں دیکھے یہ فقط موت کا دل ہے — ہم سے تو نہ دیکھی گئی بیمار کی صورت

تھے پھول ادھر وصل کی شب چاند ادھر اُٹھا — دیکھا کئے سب انکو کبھی یار کی صورت

بس ہے وہی سینے میں مرے قلب کا نقشا — ہوتی ہے قفس میں جو گرفتار کی صورت

تم خوش ہو مجھے دیکھ کے مایوس ہوں میں تو | دم بھر میں بدل جاتی ہے بیمار کی صورت

اس سمت امیدوں کو کیا یاس نے رخصت | سر کے وہ ادھر دیکھ کے بیمار کی صورت

کم ہو گی نہ اب آتشِ فرقت کی حرارت | ہم آگ سے جلتے ہیں گنہگار کی صورت

اے حضرتِ جاوید عجب چیز ہے یہ عشق
اچھے بھی ہیں تو بھی تو ہے بیمار کی صورت

شانہ کش ہے غیر آئینہ ہے پیش روئے دوست | کس شکنجہ میں کھنچی ہے قسمت گیسوئے دوست

اب قیامت سے خبر کر دو کہ آئے دیکھنے | جس قدر بڑھنے کی حد تھی بڑھ چلے گیسوئے دوست

رات کو میں کروٹیں لینے میں تڑپا اور بھی | جس طرف دل تھا اسی پہلو سے آئی بوئے دوست

وصل کی شب کا یہ مطلب ہے کہ جاگو صبح تک | سو گئے جاؤ شام سے کہتا ہے یہ زانوئے دوست

اس سے کیا پوچھے کوئی جاوید لطفِ زندگی | جس کے شانے پر نہ بکھرے ہوں کبھی گیسوئے دوست

ردیف (ٹ)

بسترِ غم پہ تڑپ جاتا ہوں | ناتواں لیتے ہیں کیونکر کروٹ

خون دیتی ہیں کلیجے کی رگیں | دلِ زخمی کو ہے نشتر کروٹ

اب نہ تا حشر کبھی جاگے گا | سو گیا بخت بدل کر کروٹ

دل کی آگ آج جگر تک پہنچی | ہم تو پچھتائے بدل کر کروٹ

ردیف (ث)

نہیں تصویر پہ تقدیر کی بیداد کیا باعث | اسے رہتی نہیں ہے عادتِ فریاد کیا باعث

نگاہِ فتنہ زا کو آپ ہی بدنام کرتا ہے | چھری لاتا ہے میرے ذبح کو جلاد کیا باعث

مرے مرنے سے دونوں کا جگر کیا چاک ہے اب تک | قفس پر منہ کو رکھ کے رو دیا صیاد کیا باعث

تصور کیوں ہوا ہے اب دلِ صد خاک کا مجھ کو | جسے بھولے تھے اس کو کر رہے ہیں یاد کیا باعث

کیا وعدے کا اعتبار عبث | دل رہا محوِ انتظار عبث

میرے مرنے پہ کیوں ہنسی آئی !
آگیا آج اعتبار عبث !

ہائے غش کا بھی ساتھ چھوٹے گا
آپ کرتے ہیں ہوشیار عبث

ہاتھ سینے پہ وہ نہ رکھیں گے
دل ہوا پھر سے بے قرار عبث

جانتا ہوں کہ دل نہیں میرے پاس
مسکراتے ہو بار بار عبث

کچھ بھی جاوید کا کلام نہیں
پھر ہے چاروں طرف پکار عبث

ردیف (ج)

ابرو کے اشارے سے اجل بھی نہ ٹلی آج
خوں جس سے ہوا دل کا وہ تلوار چلی آج

یاں دل سے نکلنے لگے پھر آگ کے شعلے
یہ طرفہ قیامت کہ خدا اُس نے ملی آج

دل سوز نہ تھا کوئی نہ غمخوار تھا کوئی
تا صبح فقط شمع سر قبر جلی آج

بلبل کا تو کیا ذکر ہے میں رو دیا خود بھی
کھلنے پہ جو آئی تھی وہی توڑی کلی آج

اُن انکھڑیوں میں قہر ہیں سُرمے کی ادائیں
معلوم ہوئی اور بھی صورت وہ بھلی آج

خاک اُڑ کے ہماری ترے کوچہ میں پہنچی
تقدیر تھی یہ بھی کہ ہوا بھی نہ چلی آج

جا کر کہیں سو بار کہ پہلا ہے یہ پھیرا
عاشق کے ہیں دو[2] پاؤں اور اک اُسی گلی آج

ٹھہرا ہوا بلبل کا نکلتا ہوا دم ہے
گلشن میں چٹکنے پہ ہے پھر کوئی کلی آج

جاوید کا مرنا بھی حیات ابدی ہے
جان آگئی ہے قبر میں آئے ہیں علی[4] آج

ردیف (چ)

دل سے تو آہ شرربار نہ کھینچ
اپنے ہی زخم پہ تلوار نہ کھینچ !

آپ ہی اپنا گلہ ہم کاٹیں !!
ہاتھ نازک ہیں تو تلوار نہ کھینچ !

ہم بھی دل رکھتے ہیں بیتاب نہ کر
پھر سے تصویر کو اے یار نہ کھینچ

خانۂ دل نہ کہیں جل جائے
اتنا سر رہ شرا یار نہ کھینچ

بات اب ضبط کی بھی جاتی ہے
آہ اے غم کے گرفتار نہ کھینچ

ردیف (ح)

روکشِ مہرِ درخشاں ہو گئی تنویرِ صبح
رات بھر کے بعد چمکا اخترِ تقدیرِ صبح

جب قریبِ صبح وقت آئی ملنے کو اجل
ہو گئی مایوس دل میں حسرتِ تدبیرِ صبح

ڈوبتے جاتے تھے تارے شمعیں بجھتی جاتی تھیں
کھینچ رہی تھی کس سہانے وقت میں تصویرِ صبح

بے بجھائے ہم نے دیکھا شمعیں بجھتی جاتی تھیں
ہم نہ تھے جاوید پہلے قائلِ تاثیرِ صبح

دشمن ہے کون ابروئے خمدار کی طرح
ہر اک سے جھک کے ملتے ہیں تلوار کی طرح

ہوتا ہے کیا مرض میں جو صحت میں یا نہیں
ہم کروٹیں بدلتے ہیں بیمار کی طرح

یادش بخیر دل کا مجھے آ گیا خیال
یہ کون آہ کرتا ہے بیمار کی طرح

ساغر چھلک گیا تھا دکھانے کے واسطے
بھرتا نہیں کبھی دلِ میخوار کی طرح

جاوید اپنے وقت کے اب آپ میر ہیں!
کس کے ہیں شعر آپ کے اشعار کی طرح

ردیف (خ)

عکسِ رُخ سے کیا فقط گلشن ہے سُرخ
دیکھو دیواروں کا ہر روزن ہے سُرخ

اے جنون فتنہ زا آئی بہار
پھر وہی ہم ہیں وہی دامن ہے سُرخ

اشک میرے بے ٹھکانے تو نہیں
دیکھ لیجے آپ کا دامن ہے سُرخ

غیر پر ہوتا ہے صحبت کا اثر
آگ میں رہنے سے خود آہن ہے سُرخ

خونِ ناحق بھی تو کوئی چیز تھا
جس حسیں کو دیکھئے دامن ہے سُرخ

پوری ہو آرزو جو ہٹا لو نقابِ رُخ
تقدیر چمکے دیکھ لوں گر آفتابِ رُخ

زیرِ سحاب آ گیا ہے آفتابِ رُخ
تم مسکرا کے پھر سے ہٹا لو نقابِ رُخ

اب تک تو مسکراتے ہیں باغِ دہر میں — پھولوں نے دیکھ لی تھی کبھی آب و تابِ رخ
ذرّے تو آج خاک میں بالکل ہی مل گئے — خورشید اس طرف تو اُدھر آفتابِ رخ
بدنام ہے نگاہ جو میری میانِ بزم — مضبوط کر رہے ہیں وہ بندِ نقابِ رخ

اس نے چھپایا حسن یہ آئیگا جب خیال
گر جائیگی نگاہ سے اُٹھ کے نقابِ رخ

ردیف (د)

کچھ شریکِ حال غم ہے اور نہ ہے راحت میں نیند — پہلے وصلت میں نہ آئی پھر اُڑی فرقت میں نیند
ہجر کے جاگوں کو اس باعث سے شوقِ مرگ ہے — لوگ کہتے ہیں کہ سب کو آتی ہے تربت میں نیند

صورت نہ یوں دکھائے اُنھیں بار بار چاند — پیدا کرے حسینوں میں کچھ اعتبار چاند
تم نے نقاب اُٹھائی تو یہ بھی ٹھہر گیا — تھا شام ہی سے دیکھنے کو بیقرار چاند

ردیف (ڈ)

ہے جا سے ان کو ابروئے خمدار پر گھمنڈ — جلاد کیا جسے نہ ہو تلوار پر گھمنڈ
برگشتگیٔ بخت نے مجبور کر دیا — تھا ہم کو بھی کبھی نگہِ یار پر گھمنڈ
حاصل یہ اس کا ہے کہ کٹے گا مرا گلا — خنجر یہ ناز ہے اُنھیں تلوار پر گھمنڈ
دریائے خوں بہاتے تھے آنکھوں سے رات دن — تھا زیب ہم کو دیدۂ خونبار پر گھمنڈ
دھوپ آکے یہ کہے گی کہ اُٹھ جائیے حضور — مجھ کو عبث ہے سایۂ دیوار پر گھمنڈ
کب سے ہمارے ذبح کو تلوار سے یہ کم — زیبا ہے ہم کو خون کی ہر دھار پر گھمنڈ
ہاتھوں سے نشہ میں یہ سنبھلتے نہیں ہیں اب — شیشوں کو کیوں تھا الفتِ میخوار پر گھمنڈ

جاوید سب یہ خاک میں ملنے کو آئے ہیں
بیکار ہے زمانۂ غدار پر گھمنڈ

ردیف (ر)

نہ کیوں ہو ناز مجھے گردشِ مقدر پہ
تری گلی میں کبھی ہوں کبھی ترے در پر

سمٹ کے باغِ جہاں کی بہار آئی ہے
مجھے بھی ناز ہے اپنی لحد کی چادر پر

نقاب آپ نے کیوں حشر میں حضور الٹی
ہر اک کو رشک ہوا ہے مرے مقدر پر

مژہ کی یاد میں یوں تو جگر میں چبھتے ہیں
جو دیکھتا ہوں تو کانٹے نہیں ہیں بستر پر

نہ اس طرف کے رہے ہم نہ اس طرف کے رہے
تری گلی میں کوئی دفن ہے کوئی در پر

فنا کے بعد ہمارا ابھی وہی ہے مزاج
نہ آج سے کبھی آئیں گے آپ کے در پر

بلند ہے مرے دستِ جنوں کا آوازہ
پڑے گا ہاتھ گریبانِ صبحِ محشر پر

ہنسی میں کون اڑاتا ہے میرے نالے کو
تڑپ کے برق گری پڑتی ہے کبوتر پر

تمام عمر نہ آئیگا پھر قرار مجھے
یہی سمجھ کے رکھو ہاتھ قلبِ مضطر پر

برا ہو وہم کا پڑتے ہیں ملیں زخم ہزار
وہ باڑھ دیکھتے ہیں ہاتھ رکھ کے خنجر پر

یہ آرزو ہے کہ بڑھ جائے طاقتِ پرواز
چھڑک رہا ہوں لہو بازوئے کبوتر پر

نہ جانیں وصل میں کیا تھا ہوا ہے ہجر میں کیا
جو پھول کل تھے وہ کانٹے ہیں آج بستر پر

یہیں یہ موت بھی آئے یہیں یہ دفن بھی ہو
جو ہونی ہو مری جا ہو وہ آپ کے در پر

کسی سے ذکر مناسب نہیں ہے اے جاوید
ہمیں ہنسیں ہمیں رویا کریں مقدر پر

ختم اب ہو گئی جفا کیونکر
ذبح تم سے کیا گیا کیونکر

میری میت پہ منہ چھپائے ہیں
اور آتی ہے اب حیا کیونکر

میں بھی کمبخت جان رکھتا تھا
ظلم تم سے کیا گیا کیوں کر

بعد مرنے کے دل سنبھالے ہوں
ہاتھ سینے سے ہوں جدا کیوں کر

زخم کو دیکھ کر تعجب ہے !
رونے والا کوئی ہنسا کیونکر

ہاتھ اُٹھایا تھا اس نے ظلم سے بھی
آگئی پھر مری قضا کیونکر!

جبکہ شرکت ہو ظلم میں اُن کی
پھر مقدر کا ہو گلا کیونکر

حال تقدیر میں نے لکھا تھا !
خط مرا اس نے پڑھ لیا کیونکر

مہربانی نے ان کی مارا ہے
اب ہو تقدیر کا گلا کیونکر

حال شوق وصال لکھا تھا
خط لفافے سے ہو جُدا کیونکر

مسکرانا بھی اور ان کا سا
کھلتی کلیوں کو آگیا کیونکر

کچھ وفائیں بھی یاد آتی ہیں
میں کہوں اُن کو بے وفا کیونکر

عمر اس سوچ میں کٹی جاوید
مہرباں ہو وہ بے وفا کیونکر!

رہ گئے ارمان دل میں داغِ حرماں دیکھ کر
قافلے اُترے سرِ منزل چراغاں دیکھ کر

کبازانِ محبت کا بھی پردہ کھل گیا
آگئی مجھ کو ہنسی یوسف کا داماں دیکھ کر

دیدنی ہے دہر میں یہ اتحادِ حسن و عشق
کھنچ گئیں دل کی رگیں زلفیں پریشاں دیکھ کر

یونہی کھنچتی ہیں رگیں اور دم نکلتا ہی نہیں
آپ کیوں روئے مرے ماتم کا ساماں دیکھ کر

گر خدا چاہے تو آئیگی وہیں پر موت بھی
غش تو آیا ہے زمین کوئے جاناں دیکھ کر

چین بجلی کو نہ آتا ہے نہ اشکوں کو قرار
میرا دامن دیکھ کر میرا گریباں دیکھ کر

ایک مایوسی یہ رخ کی جان عالم کی نثار
حشر میں ہوں منفعل ان کو پشیماں دیکھ کر

آتشِ رشک و حسد سے دل میں پروانے جلے
شمع کو فانوس کے پردے میں عریاں دیکھ کر

اب نہ رونا آئے تو بھی مصلحت سے روئیں گے
چین کب لیتے ہیں آنسو اُن کا داماں دیکھ کر

سانس اکھڑی نبض ڈوبی دم رکا آنکھیں پھریں
چند ساعت کا مجھے دنیا میں مہماں دیکھ کر

جس قدر دل کا لہو تھا خشک وہ بھی ہو گیا
حسرتوں کا خون اور قاتل کا داماں دیکھ کر

پاکبازان محبت کا بھی پردہ کھل گیا ! — آگئی مجھ کو ہنسی یوسف کا داماں دیکھ کر
خون لاکھوں جس کی گردن پر ہوا اس کی یہ ادا — رو دیا میں حشر میں ظالم کو خنداں دیکھ کر

دیکھئے جاوید اچھوں کی ہر اک کو قدر ہے
برق لپٹی ابر سے اک پاک داماں دیکھ کر

جرأت نہ کیوں ہو سوزِ الم کے بیان پر ! — دل کے بھی کھنچ کے آگئے کانٹے زبان پر
بچپن سے تیغ بھی تو سنبھلتی نہیں حضور ! — ایسا نہ ہو کہ لوگ ہنسے امتحان پر
کیوں لاش اٹھاؤ درد نہ ان بازوؤں میں ہو — تم جاؤ جو بنے وہ بنے میری جان پر
کہتے ہیں اس کو عشق محبت ہے اس کا نام — توڑا جو پھول بن گئی بلبل کی جان پر
سچ ہے کہ میرے غم کا زمانہ پہ ہے اثر — مجھ پہ بنی ہے اور ہے اداسی مکان پر

یہ رونا بے جا ہے آنسو سے نہ دامن پر ہے باقی — مسافر لٹ بھی جاتے ہیں پہنچتے ہیں جو منزل پر
نقاب اُلٹیں تو خجلت ہو نہ اٹھیں وہ تو حسرت ہو — اداسی دونوں شکلوں سے رہے ماہِ کامل پر
نگاہیں دیکھنے والوں کی مثل موج مضطر ہیں — ادھر پانی میں عکسِ رخ ادھر وہ خود ہیں ساحل پر
وہاں آنسو نکلتے تھے درِ جاناں پہ دم نکلا — ہمیں رستے میں لٹتے ہیں ہمیں لٹتے ہیں منزل پر
جگر سے دل سے آنکھوں سے رگوں سے کھنچ کے جا پہنچا — لہو اب ہے بڑے آرام سے دامانِ قاتل پر

جہاں میں سچ ہے حسن روز افزوں بھی قیامت ہے
نظر ہر ایک کی پڑنے لگی بازوئے قاتل پر

اب آئینہ میں کون ہے یہ جلوہ گر ادھر — دیکھ اپنا حسن دیکھ اٹھا کر نظر ادھر
نکلیں نہ دونوں آنکھوں سے کس طرح اشک خون — زخمی ہوا ہے قلب ادھر اور جگر ادھر
بجلی بہت تڑپتی ہے گرنے کے واسطے — شاید روانہ ہو چکا ہے نامہ بر ادھر
غافل انہیں کیطرح رہی مجھ سی موت بھی — آنے کا نام بھی نہ لیا عمر بھر ادھر

غش سے نہ پشیماں ہوں کلیم آپ سرِ طور — ہوتا ہے یہی عاشقِ دلگیر کا انداز
مانع ہے ادب چومتا ہے ہاتھ خود اپنے — دیکھا ہے مصوّر نے جو تصویر کا انداز
اس پہ بھی تو عالم کی نگاہیں نہیں پڑتیں — کچھ برق نے کھینچا تری تصویر کا انداز
تنہائی میں لے لیتے ہیں بوسے جو مکرّر
جاوید بدل جاتا ہے تصویر کا انداز

کام دلسوزی سے ہے ہو دوست یا دشمن کے پاس — شمع رونے شام سے آئی مرے مدفن کے پاس
بس خوشی و غم میں جتنا فرق ہے ظاہر ہے وہ — پاس میرے یہ رہا اور وہ رہے دشمن کے پاس
اپنے جوہر پہ نظر ہے دو ہنر سے بحث کیا — تیغ کی چتون وہی ہو دوست یا دشمن کے پاس
میں شبِ فرقت سے کرتا ہوں ملاقات اسلئے — کچھ سہی لیکن نہیں جاتی کسی دشمن کے پاس
بال اڑ کر منہ پہ آتے ہیں ہوئی جاتی ہے شام — وہم آتے ہیں مجھے بیٹھے ہیں وہ مدفن کے پاس
عمر بھر میرے جلانے کا جو آیا تھا خیال — سر جھکا کر شمع لاتے ہیں مرے مدفن کے پاس
بیکسی روز افزوں ہو کہ ہو جاوید حشر
اک نہ اک لینے خبر آ جائیگا مدفن کے پاس

سمجھا تھا میری موت شبِ انتظار غش — آتا تھا دیکھنے کو مرے بار بار غش !
بے ہوش ہو کے ہوش میں پھر آ چلا ہوں میں — کھوتا ہے آج موت کا بھی اعتبار غش
جو ہوش میں تھے دیکھ کے بیہوش ہو گئے — کیا خوب ایک ہجر کی شب اور ہزار غش
اظہارِ شوق دید نہ ہوگا کلیم سے — گر آ گیا ستانے کو پھر ایک بار غش
دامن کی کچھ ہوا میں قیامت کا تھا اثر — اب ہے خوشی کہ آئے مجھے بار بار غش
رُکتا کبھی نہ گریۂ بے اختیار شوق — آتے ہیں روکنے کے لئے بار بار غش
زانو پہ اپنے سر کوئی رکھتا ہو بار بار — سب اک طرف کو آج کا ہی یادگار غش
میں اتنی دیر بھول گیا تھا غمِ فراق — پھر آئے مجھ کو اے پروردگار غش !

راز و نیاز عشق سے واقف نہ تھے کلیم
کیا جانے کیا تھا آگیا تھا ایکبار غش

جاوید الٹی سوجھتی ہے سوجھتی ہے جو
وہ ہوشیاریاں ہیں کہ جن پہ نثار عشق

کب فرق وضع دہر میں آیا ہے اے اجل
ویران میری موت سے ہے اک مکاں فقط

گم کم ہیں سب پہ برقِ تجلی کی بجلیاں
ظاہر میں یوں کلیم کا تھا امتحاں فقط

جس میں تھا ذکر جان کے دینے کا حُسن پر
اُن کو پسند آگئی وہ داستاں فقط

پیسا زمیں نے جب تو کھلی آنکھ قبر میں
دشمن سمجھ رہا تھا کہ ہے آسماں فقط

جلنے لگے زباں کے کانٹے لگی وہ آگ
کہنے چلے تھے حالتِ سوزِ نہاں فقط

جاوید ان کے دل پہ ذرا بھی اثر نہیں
نالوں سے ہل رہے ہیں زمیں آسماں فقط

فائدہ کچھ بھی نہ سمجھی اپنے جل جانے میں شمع
کچھ بجھے تیور سے جلتی تھی سیہ خانے میں شمع

وائے ناکامی قسمت کچھ نہ یہ ثابت ہوا
جل گئی یا بجھ گئی میرے سیہ خانے میں شمع

اس کے آجانے سے شب کو روشنی بھی بڑھ گئی
بن گیا تھا ذرہ ذرہ میرے کاشانے کا شمع

داغ دل جاوید کیوں ہیں یاد پہ گرمی میں ساتھ
بجھ نہ جائے کیوں لئے جاتے ہو ویرانے میں شمع

کبھی اندھیرے سے گھبرائے روشنی سے کبھی
کبھی بجھائے چراغ اور کبھی جلائے چراغ

وہ بجھتے دل کو نہ دیکھیں کسی کے خوب ہے یہ
وہ منہ کو پھیر لیں جس وقت جھلملائے چراغ

لحد پہ چل کے ہوا گر بجھاتی ہے تو بجھائے
تمہارا ہو چکا احسان کہ خود جلائے چراغ

لحد پہ بوئے وفا آرہی تھی وقت سحر
کہیں کہیں جو پڑے ہیں جلے جلائے چراغ

اک آہِ گرم سے تربت میں کام لینے دو
یوں ہی جلائے اسی طرح سے بجھائے چراغ

جو تھا تو بس وہی دل سوز بھی تھا اے جاوید
کسی نے دل نہ جلایا یہاں سوائے چراغ

میں غش میں تھا کہ موت کا دھوکا کسی ہو — چہرے سے پر سمجھ گیا وہ بدگمان صاف
یہ کہدیا ہے جھوٹ کسی نے وہ آئینگے — ہم کر رہے ہیں صبح سے اپنا مکان صاف
غنچے سمجھ گئے ہیں پہ لب کھولتے نہیں — بلبل چمن میں کہنے لگی داستان صاف

اُلجھا ہوا ہے مطلب دل عندلیب کا
یہ داستان صاف نہ وہ داستان صاف

ہے میرے دم سے کیوں نہ روشن ہو جہاں میں نام عشق — بن گیا داغ جگر آخر چراغ شام عشق
منہ کے دکھلایا کہ اس کا نام ہے انجام عشق — کام کہتے ہیں جسے وہ عمر کیجے ناکام عشق
ابتدا ہی میں ہوا ہے خاتمہ ان کا بخیر — آج تک عشاق نے دیکھا نہیں انجام عشق
درد اُٹھتا تھا کلیجہ میں لبِ تنہا یاد ہے — جب کوئی بھولے سے لاتا تھا زباں پر نام عشق
روز جب مرتے تھے اب آئی اجل تو ایکبار — بڑھ کے ہے آغاز محبت سے نہیں انجام عشق
نا اُمیدی بن کے ورنہ پہلے ہی آتی اجل — تیرے ملنے کی اُمیدوں پر جیئے ناکام عشق
بے وفا اس کو کہیں گے تو بُرا مانیگا تو — کہہ کے گیا روئیں جوانی کو تری ناکام عشق

روشنی جاوید اس دم گھر میں ہو گئی
داغ دل کا بن گیا آخر چراغ شامِ عشق

دل سوزاں ہے مرا رونق کاشانہ عشق — آپ ہی شمع ہے اور آپ ہی پروانہ عشق
بتیاں زخموں کی جلنے لگیں اور اُف بھی نہ کی — آفریں تجھ پہ ہو اے ہمت مردانہ عشق
نیم باز آنکھ ستمگر کی ہے سوتے ہیں یہ کیا — آج وا رہ گیا شاید درِ میخانہ عشق
اے کلیم آپ نہیں طور نہیں برق نہیں — تھی کسی عہد میں ہاں رونقِ کاشانہ عشق
ایک دل تیر ہزار ایک جگر زخم ہزار — دیکھ لی آپ نے بھی ہمت مردانہ عشق
داستان وصل کی چھیڑوں کہ شب فرقت کی — لطف دو رنگ کے اور ایک ہے افسانہ عشق
برق کہتی ہے کدھر ہے دلِ سوزاں تیرا — روشنی بخش جہاں تیرہ کاشانہ عشق

رفتہ رفتہ مرا دل جل چکا سوزِ غم سے
خاک اڑتی ہے نہ دیکھو سوئے ویرانۂ عشق

آج کے دن کی خبر دل کی دھڑکنے دی تھی
بچپنے میں کبھی سنتے تھے جو افسانۂ عشق

فرق اگر ہے تو حقیقی و مجازی کا ہی فرق
ورنہ ہر ایک زباں پہ رہا افسانۂ عشق

اب تک ہمارے غم کی ان کو نہیں خبر تک
جیتے رہے جو شب تک مر جائینگے سحر تک

دنیا کا کیا بھروسہ خود اپنا حال یہ ہے
جب ہوگا وقت آخر پھر جائیگی نظر تک

سینے سے تیر کھینچو منہ کو مگر پھرا لو
دل کا تو ذکر کیا ہے کھنچ آئیگا جگر تک

کروٹ سی لیکے وہ بھی اور دل بھی رہ گیا ہے
آہیں جو میری پہنچیں کیفیت اثر تک

یوں تو نہ کچھ کہا تھا خاموشی کے بدلے
تربت سے اٹھ کے لیکن روتے گئے وہ گھر تک

بات کا شہر خموشاں میں کہیں رسم نہیں
کچھ عجب رنگ ہے رہتا ہے خفا ایک سے ایک

کیا سنے کوئی اسیرانِ قفس کی باتیں
حال کہتا ہی گرفتار بلا ایک سے ایک

آج کیا وصل کی شب ہے جو ابھی سے غصہ
بگڑی جاتی ہی ستمگر کی ادا ایک سے ایک

قہر کیوں ڈھائیں نہ اس شوخ کے دونوں ابرو
دیکھنے میں ہیں ملے اور ہیں جدا ایک سے ایک

ہے دلوں کا وہی جو دانۂ تسبیح کا حال
یوں ملے ہیں یہ ہیں در اصل جدا ایک سے ایک

ہم نے دیکھا نہ کہیں حضرت جاوید کا مثل
یوں تو بڑھتا رہا عالم میں سدا ایک سے ایک

باقی خزاں کی فصل نہ اب ہے بہار دل
دو چار داغ رہ گئے ہیں یادگار دل!

مردہ وہ حسرتیں ہیں جو ہیں یادگارِ دل
ویراں ہے مثل گور غریباں مزار دل

حد کی فسردگی ہے کلیجے کے داغ ہیں
گویا کہ بجھ چراغ پڑا ہے مزار دل

اب تک اسی طرح ہی اثر ہے ضعف کا
اٹھ اٹھ کے بیٹھ جاتی ہے گرد غبار دل

کمبخت انکو دیکھ کے تسکین کیوں ہوئی
سمجھیں کے جھوٹ تھی خبر انتشار دل

اب ناز سے وہ پاؤں اٹھاتے ہیں راہ میں
شاید یہیں کہیں ہے زمین مزار دل

اجڑے ہوئے مکاں میں قدم کیا رکھیں گے وہ
تھی باغ آرزو کے سبب سے بہار دل

کیسے ستمگروں سے پڑا ہے مقابلہ
ہم نے شباب میں بھی نہ دیکھی بہار دل

آپ خود جانتے ہیں وجہ گرفتاری دل
زندگی میں تو نہ اب جائیگی بیماری دل

دیکھ کر چرخ کو کہتا ہوں خدا اب دکھائے
وہ شب تار وہ رونا مرا وہ زاری دل

صبح سے بند تھیں وہ آئے تو آنکھیں کھولیں
دیکھ آج کے دن غفلت وہشیاری دل

کچھ دنوں کیوں مرے کہنے میں لیا تھا
آج ثابت ہوئی یہ وجہ گرفتاری دل

حسرتیں چھوڑ کے رخصت ہوئیں آخر جاوید
مدتوں جب یوہیں بڑھتی گئی بیماری دل

نہ آرزوئے جفا بہ قدم نکال کے چل
پڑے ہیں راہ میں کچھ دل بھی دیکھ بھال کے چل

چلا جو حشر میں میں سن کے آمد جاناں
یہ اضطراب پکارا کہ دل سنبھال کے چل

ارے یہ حشر میں ہیں سینکڑوں ترے مشتاق
یہاں پہ ہم بھی ہیں راضی نقاب ڈال کے چل

عدم کا قصد ہے بحر جہاں سے گر جاوید
حباب وار زمانہ کو دیکھ بھال کے چل

ضرر سمجھتے ہیں اب مے کے بھی خمار میں ہم
رہیں گے پھر نہ تمہارے بھی اختیار میں ہم

تمہیں ہے نشہ جوانی کا ہم میں غفلت عشق
نہ اختیار میں تم ہو نہ اختیار میں ہم

یہ شیخ کہتا ہے تسبیح سے غضب کی ہے جا
ہر اک سے ہو کے مقدم نہیں شمار میں ہم

کوئی نہ بند کرے یہ کھلی ہوئی آنکھیں
خدا گواہ کہ مرتے ہیں انتظار میں ہم

نگاہیں حسرتیں بھی ڈھونڈھتی ہیں اے جاوید
یہاں تلک تو رہے ان کے انتظار میں ہم

ردیف ن

وہ زلفوں کو غیروں سے بنوا رہے ہیں
مرے دل پہ ابرِ الم چھا رہے ہیں!

شبِ وصل کیا جانے کیا یاد آیا
وہ کچھ آپ ہی آپ شرما رہے ہیں

ہو عمرِ رفتہ سے پھر آئے جلدی
مجھے ذبح کر کے وہ پچھتا رہے ہیں

نہیں چین مر کر بھی جاوید اک دن
لحد کو ہماری وہ ٹھکرا رہے ہیں

مثالِ آسیا ہم سب کے سب بیداد کرتے ہیں
خدا تو رزق دیتا ہے مگر فریاد کرتے ہیں

بسانِ آسیا کم شکوۂ بیداد کرتے ہیں
بہت بڑھتی ہے جب گردش تو کچھ فریاد کرتے ہیں

مثالِ آسیا عادت ہے ہم کو ضبطِ گریہ کی
پریشاں ہو کے دستِ غیر سے ناشاد کرتے ہیں

جو حصہ غیر کی تقدیر کا ملتا ہے دم بھر کو
تو بن کر آسیا کس درد سے فریاد کرتے ہیں

کس شے سے اس جہان میں وہ رخ عیاں نہیں
وہ کون سی بہار ہے جس پر خزاں نہیں

گل سے عیاں نہیں کہ چمن سے عیاں نہیں
قدرت کا اس کے رنگ ہویدا کہاں نہیں!

راحت ہے زیرِ خاک کہ سوتا ہوں چین سے
غافل یہ وہ زمیں ہے جہاں آسماں نہیں

اللہ رے انقلاب کہ موجود تھے جو کل
آج اُن کی قبر کا بھی کہیں پر نشاں نہیں

مستِ رنگِ بزم اے ساقی بدل سکتے نہیں
بے تری مرضی کے ساغر بھی تو چل سکتے نہیں

ہیں ضعیف و ناتواں خود اپنے سایے کی طرف
بے سہارا دو قدم بھی راہ چل سکتے نہیں

دل ہے نازک اس طرف زخمی جگر ہے اس طرف
اب تو پہلو بھی تڑپ کر ہم بدل سکتے نہیں

اس غضب کو دیکھنے موت آگئی آئے نہ وہ — دم کے بھی ہمراہ اب آنسو نکل سکتے نہیں
ہے مذاق عاشقی میں موت اک امر محال — تم پہ جو مرتے ہیں دم ان کے نکل سکتے نہیں
وصل کا اقرار کر کے حشر میں نادم ہیں وہ — اب یہ وعدے آج کے فردا پہ ٹل سکتے نہیں
کیا نزاکت کی دعائیں دیتے ہیں مل مل کے غیر — وہ جو میری لاش کے ہمراہ چل سکتے نہیں

عاجزی خود تیری اے جاوید ہے عین کمال
اپنی حد سے شعر بھی باہر نکل سکتے نہیں

منزل عشق میں چین اے دل مہجور نہیں — شہر یہ وہ ہے جہاں رحم کا دستور نہیں
جتنے ہیں داغ مرے دل کے وہ افسردہ ہیں — کیسی یہ شمعیں ہیں روشن کہ ذرا نور نہیں
اب مری آنکھ کے آنسو نہ تھمیں گے دم بھر — کونسا زخم ہے سینہ میں جو ناسور نہیں
اتنی حسرت ہے کہ اے کاش اجل بھی آجائے — ان پہ جو مرتے ہیں جینا انھیں منظور نہیں
کوئی ظالم کوئی مظلوم بنے دم بھر کو — سامنا حشر میں ان کا ہمیں منظور نہیں
واہ کیا خوب مری لاش بھی آ کر وہ اٹھائیں — جانتا ہوں کہ حسینوں کا یہ دستور نہیں
ان کے کوچہ میں کوئی دفن نہیں ہو سکتا — اب کہوں خاک کہ جینا ہمیں منظور نہیں

پاس آتے ہیں وہ ہمراہ رقیب اے جاوید
اب اگر آج اجل آئے تو کچھ دور نہیں

کب ہے آباد محبت میں جو برباد نہیں — دل ہی وہ خاک ہی جسمیں کہ تری یاد نہیں
آؤ پھر یاد دلائیں تمھیں بھولی باتیں — مسکرا کر کہو پھر تم کہ ہمیں یاد نہیں
آرزو ہے کہ قفس ہی میں اجل آجائے — چھوٹ کر جاؤں کدھر راہ کوئی یاد نہیں
حشر میں چھیڑ کے کہتی ہیں نگاہیں میری — کل کا چھپنا مری جاں آج تمھیں یاد نہیں
شوق سے ذبح کرو حشر کے دن کا کیا خوف — کوئی پوچھے گا تو کہنا کہ ہمیں یاد نہیں
کبھی دو چار گھڑی بیٹھ کے ہنس لیتے تھے — اب تو رونے کے سوا کچھ بھی ہمیں یاد نہیں

دیکھ جاوید کہ ہے مجمع ارباب کمال !
کون اس بزم میں ایسا ہے جو استاد نہیں

بہار آئی ہے لب پر پھر جنوں انگیز نالے ہیں
ہرے پھر بعد مدت زخم دل کے ہونیوالے ہیں

لحد میں بھی وہی ہم ہیں وہی پُر درد نالے ہیں
کلیجہ تھام لیں جو جو عدم کے رہنے والے ہیں

مرے زخم جگر کا منہ کھُلا ہے فرط حیرت سے
کسی بیدرد نے سینے سے یوں پیکاں نکالے ہیں

نہ کیوں حدِ جنوں فساد پر طاری ہوا ہے قسمت
مری ہر رگ سے اس نے عمر بھر نشتر نکالے ہیں

کفن سے کیوں نہ منہ ڈھالو کہ مرنے کی ندامت ہے
سُنا ہے آج بالائے لحد وہ آنے والے ہیں

قیامت ہے کہ محشر میں نقاب الٹی ہے چہرے سے
کلیجے اپنے اپنے دیکھنے والے سنبھالے ہیں

کوئی کہہ دے فلک سے امتحاں اب کیوں نہیں لیتا
جگر کو ہاتھ سے روکے ہیں ہم دل کو سنبھالے ہیں

ابھی تو بچپنا ہے چال سے لیتے ہیں دل سب کے
یہ دو دن میں جواں ہو کر قیامت ڈھانیوالے ہیں

لحد پر پاؤں آہستہ رکھو ہو درد رگ میں
ارے غافلو ہم بھی وہیں کے رہنے والے ہیں

یقینی انتظار صبح اے جاوید ہے ان کو
جو طائر اپنے اپنے آشیاں سے منہ نکالے ہیں

ضد سے تیور بھی چراغوں کے بدل جاتے ہیں
وہ شب وصل بجھاتے ہیں یہ جل جاتے ہیں

سخت دل ان کا کچھ ایسا ہی نہیں جس پہ اثر
ورنہ گرم آہوں سے پتھر بھی پگھل جاتے ہیں

حشر تک ڈھونڈنے کو جاتے ہیں اللہ ری تلاش
دم جو عشاق کے سینوں سے نکل جاتے ہیں

مُسکرانا وہ شب وصل کا وہ صبح کا غیظ
ہم تو رہتے ہیں وہی آپ بدل جاتے ہیں

ایک راحت کا بھی پہلو جو نظر آتا ہے
موت کے نام سے بیمار سنبھل جاتے ہیں

وہ سمجھتے ہی نہیں ہجر کی ایذا کوئی شے
کیوں انھیں دیکھ کے بیمار سنبھل جاتے ہیں

لینے آئے تو وہ لاش اُٹھانے کے لئے
بعد مرنے کے بھی ارمان نکل جاتے ہیں

چھالے پڑ جاتے ہیں سینے پہ ٹپکتے ہیں جو اشک
ہم تو بے آگ کے پانی سے بھی جل جاتے ہیں

بزمِ دل اور نظر آتی ہے ویراں جاوید
مَیں تو روتا ہوں جو ارمان نکل جاتے ہیں

تم نہیں مہماں تو کچھ بھی باعثِ شادی نہیں
میرے سینے میں وہ دل اور دل میں آبادی نہیں

موت سے بڑھ کر زمانے میں کوئی شادی نہیں
زندگی میں روح کو حاصل یہ آزادی نہیں

کونسی وہ حد ہے جس میں رحم بھی اِک ظلم ہو
وہ چھری کو روکتے ہیں کیا یہ جلادی نہیں

منہ اِدھر سے پھیر لو جس وقت اُٹھتا ہو غبار
خاک ہو میری خیال کب شانِ بربادی نہیں

نیند جن کی اُڑ گئی تھی وہ بھی سوئے چین سے
مَیں جو فریادی نہیں تو کوئی فریادی نہیں

خلد کو بھی دیکھ آیا ہوں میں کوچے سے ترے
ہاں وہاں بھی ہر جگہ ایسی تو بربادی نہیں

روح کھنچ کھنچ کر نکلتی ہے دھوئیں کی طرح سے
کب دلِ سوزاں چراغِ بزمِ بربادی نہیں

پچھلی راتوں کے وہ سناٹے وہ دل کا ٹوٹنا
کونسی راتیں ہیں فرقت کی جو فریادی نہیں

جس کے خاروں میں کفِ پا کا نہ میرے خون ہو
تنگنائے دہر میں ایسا کوئی وادی نہیں

موت کو اللہ رکھے ہو عجب اس کا بھی دم
قیدیِ زنداں کو کب اُمیدِ آزادی نہیں

شمع بھی خاموش دل بھی چُپ ہے بالیں بھی اداس
مرنے والا مر گیا اب کوئی فریادی نہیں

بو کسی کے خونِ ناحق کی نہ آتی ہو جہاں
لطف کی وہ جا نہیں وہ سیر کا وادی نہیں

اُڑتے اُڑتے کوئے جاناں میں گیا میرا غبار
میں سمجھا تھا جسے بربادی وہ بربادی نہیں

سلسلہ جنبانیِ رفتا مجنوں کم ہے کیا
پہلے فریادی بھی تھی اب زنجیر فریادی نہیں

حضرت جاوید ہیں ان کی نگاہیں جس طرف
ہم اُدھر کو بیٹھتے ہیں کیا یہ اُستادی نہیں

کچھ دل رُبا ہلال کی تنویر بھی نہیں!
پورے ترے شباب کی تصویر بھی نہیں

طولِ مرض سے اور بھی مٹی ہوئی خراب
کہتے ہیں وہ یہ لائقِ تعزیر بھی نہیں

بند نقاب کھول رہے ہیں وہ رات کو
اب چاندنی نکلنے میں تاخیر بھی نہیں

اب جلوہ گاہ حسن بھی اک ہو کا ہے مقام
خالی نہ آئینے میں ہے جو وہ تصویر بھی نہیں

مجھ سے چھپا ہے حال مرا خود جہان میں
پیش گناہ بخت کی تحریر بھی نہیں

خود دل میں کہہ رہا ہوں کہ ہو وقت جان دہی
میری وہ لاش اٹھائیں یہ تقدیر بھی نہیں

دیوانگی میں طبع نزاکت پسند ہے
منت کی کیا وہاں کوئی زنجیر بھی نہیں

طول مرض سے اور بھی مٹی ہوئی خراب
کہتے ہیں وہ یہ لائق تعزیر بھی نہیں

جاوید خون ہو کے کلیجہ بھی بہہ گیا
پہلے جو تھی وہ اب کشش تیر بھی نہیں

دیر بھر سوز الم سے نہ ہو جل جانے میں !
چھالے پڑ جائیں گے اشکوں کے نکل آنے میں

کوئی کہہ دے کہ جو آئے ہیں تو دم بھر ٹھہریں
ایسی کچھ دیر نہیں ہے مرے مر جانے میں

نشۂ آنکھوں میں بل ابرو پہ ہے لب پر ہے ہنسی
ہے سلیقہ انھیں تصویر کھنچوانے میں

اے اجل آ چکے تھے وہ در زنداں کے قریب
بے محل روح نے جلدی کی نکل جانے میں

اس سے تشبیہ نہ بتلادے تو کوئی کیونکر دے
اشک آنکھوں میں نہیں تو مرے نہیں پیمانے میں

میں نے کچھ ان سے برائی بھی نہ کی تھی جاوید
ان کو کیا مل گیا آخر مرے تڑپانے میں

کسی دامن کی پھر حد کشش کو یاد کرتے ہیں
ہم اپنے اشک اک امید پر برباد کرتے ہیں

بہت سوتے ہیں قسمت کو جو ہم کو یاد کرتے ہیں
جگر کے زخم پھٹ جاتے ہیں جب فریاد کرتے ہیں

تلون اس کو کہتے ہیں اسی کا نام ہے بچپن
ابھی قیدی بنایا تھا ابھی آزاد کرتے ہیں

اسی امید پر کچھ روز شاید اور جی جاؤں
اسی کو دیکھ لوں وہ جس کے دل کو شاد کرتے ہیں

مری تصویر کو خاموش پا کر سب سے کہتے ہیں
انھیں کو لوگ کہتے تھے کہ یہ فریاد کرتے ہیں

اجازت دفن کی دی ہے تو ان سے غیر کہتے ہیں
یہاں کی آپ کیوں دو گز زمیں برباد کرتے ہیں

ہماری عمر ساری کٹ گئی اتنے سہارے پر — یہی سنتے چلے آئے کہ اب آزاد کرتے ہیں
زمانہ اپنی آزادی کا شاید یاد کرتے ہیں — گرفتار قفس کس درد سے فریاد کرتے ہیں
لبوں پر کچھ ہنسی ہے مرتے دم بھی دیکھ تو تجھے — ابھی تک آپ کا طرز تبسم یاد کرتے ہیں
جنازہ در پہ آیا ہے تو دربان سے کہتے ہیں — یہ جائے یا کہ ٹھہرے آپ کیا ارشاد کرتے ہیں

صدائیں دل دھڑکنے کی جو آئے ہجاوید وہ سن لیں
سمجھ لیں یہ کہ تم سے ناتواں فریاد کرتے ہیں

مقتل میں جو وہ تیغ بکف آئے ہوئے ہیں — مرنا ہے جنھیں آج وہ گھبرائے ہوئے ہیں
اب چاہنے والوں کے کلیجوں کا خدا ہے — آئی ہے جوانی تو وہ اترائے ہوئے ہیں
عشاق کی ضد سے وہ نگہ رکھتے ہیں نیچی — بیدرد یہ سمجھے ہیں کہ شرمائے ہوئے ہیں

جی چاہے تو خود دیکھ لو آنکھوں سے جنازہ
ہم در پہ نئی طرح سے آج آئے ہوئے ہیں

آثار کمسنی کے ابھی پائے جاتے ہیں — گو ذبح کر رہے ہیں یہ گھبرائے جاتے ہیں
سو بار سن چکے کہ قیامت بھی آ چکی — اب تو اسیر قید میں گھبرائے جاتے ہیں
الٹی چھری گلے پہ پھراتے ہیں وقت ذبح — وہ بھی ہماری طرح سے گھبرائے جاتے ہیں
بوسہ تو لے کے بزم میں مجرم ہوا ہوں میں — الٹی یہ بات ہے کہ وہ شرمائے جاتے ہیں
کچھ میں نے ذکر چھیڑ دیئے ہیں جو وصل میں — کم کم ہنسی کے ساتھ ہی شرمائے جاتے ہیں
کھلتا نہیں کہ ان سے جوانی نے کیا کہا — منت کے طوق آج اتروائے جاتے ہیں

دامن کی وہ ہوائیں جو دیتے ہیں بار بار
مطلب سے اپنے ہم کو بھی غش آئے جاتے ہیں

عاشقوں کی زندگانی کے سہارے آپ ہیں — کیوں بگڑتے ہم سے سنئے سب سے پیارے آپ ہیں
لوٹتی پھرتی ہے بوئے عطر فرش خواب پر — میرے بستر سے جو اپنے گھر سدھارے آپ ہیں

لاش بھی اٹھ جائے گی اور وصل بھی ہو جائے گا
زندگی اور موت دونوں کے سہارے آپ ہیں

جابجا تربت دلِ مردہ کی آتی ہے نظر
نقشِ پا کچھ چھوڑ کر گھر سے سدھارے آپ ہیں

رات کو دریا میں موجیں کس طرح سے چین لیں
اک کنارے چاند ہے اور اک کنارے آپ ہیں

ہجر کی گو رات ہے لیکن تصور کے نثار
میں سمجھتا ہوں کہ پہلو میں ہمارے آپ ہیں

حضرت جاوید کچھ سب سے نرالی ہے روش
باغ میں سبزہ صفت سب سے نرالے آپ ہیں

یوہیں آفت بپا کی ہے جو وہ محفل میں آئے ہیں
یوہیں بجلی گرائی ہے اگر وہ مسکرائے ہیں

انہیں سے ہوگا ماتم اور انہیں سے لاش اٹھنے کی
قیامت ہے کہ جن ہاتھوں سے وہ مہندی لگائے ہیں

دکھا کر داغہائے دل میں کس سے داد لوں غم کی
ستم یہ ہے کہ تارے بھی سحر سے منہ چھپائے ہیں

یہ کس نے یاد دلوائے ہیں پیمانِ شب وصلت
لحد پر پھول کس نے پیار ہاتھوں سے چڑھائے ہیں

کہاں اب ہم کہاں وہ دل کہاں سیریں گلستاں کی
یہ کیوں اے حسرتِ پرواز تو نے ہوش اڑائے ہیں

شکایت کا کسی کو جنمیں کچھ موقع نہ ہاتھ آئے
وہ میدانِ قیامت میں نقابِ رخ اٹھائے ہیں

وہ کون ایسا ہے پہلو میں جسے وہ دیکھے جاتے ہیں
ہمیں وہ ذبح کرتے ہیں مگر منہ کو پھرائے ہیں

خداوندا بڑھا دے اور طاقت ان کے ہاتھوں کی
کہ نازک بھی ہیں اور میرا جنازہ بھی اٹھائے ہیں

ہوائیں دے رہے ہیں لوگ اپنے اپنے دامن کی
نشاں شاید مٹا کر میری تربت کا وہ آئے ہیں

قدم گھر سے نکالا ہے تو منزل پہ بھی پہنچونگا
وہ تھم سکتے نہیں آنسو جو رخساروں پہ آئے ہیں

کٹیں راتیں تڑپنے میں یہاں بھی کیا یہ مطلب ہے
گھڑی بھر کے لئے تربت پہ میری کیوں وہ آئے ہیں

ہوئی جاتی ہے میلی چاندنی بھی شام وصلت کی
وہ اپنا چاند سا منہ دونوں ہاتھوں سے چھپائے ہیں

لحد پر آئے کوئی اب نہیں ہے دیکھنے والا
یہ کیوں ہے بدگمانی ہم کفن سے منہ چھپائے ہیں

کلیم اب دیکھیے کیا ہو کہاں تم اور کہاں جلوہ
چھپے ہیں سامنے ہو کر یوہیں جب ضد پہ آئے ہیں

کبھی کے وعدے یاد آئے جو دیکھا ان کو محشر میں
ہنسا اس پر کہ اے تو فکر کیا جلد آئے ہیں

جنھیں جاویدؔ میری طرح سے شوقِ شہادت ہے
وہ خود ہی صورتِ شمشیر سر اپنا جھکاتے ہیں

پرسانِ حال خاطرِ بیمار کیا کریں
اِک دل ہزار درد ہے غمخوار کیا کریں

ٹوٹے قدم قدم پہ اگر آبلوں کا دل
دیوانے سیرِ وادیٔ پُرخار کیا کریں

لیتا ہے چٹکیاں کوئی معشوق بار بار
ہم تجھ کو کھو کے اے خلشِ یار کیا کریں

مدت کے بعد قید سے طائر چھٹے ہیں آج
کمبخت بیٹھ کر سرِ دیوار کیا کریں

گرمیِ روزِ حشر جہنم سے کم نہیں
اب اے کریم تیرے گنہگار کیا کریں

کیوں کر نہ اب ہو اُن کی نزاکت پہ جا رحم
کھنچتی نہیں ہے ہاتھ سے تلوار کیا کریں

کیا مرتے وقت بات نقاہت کی کہہ سکیں
دم توڑ کر حضور کے بیمار کیا کریں

اتنے دنوں نہ ساتھ رہا ہے کوئی رقیب
پھر ہم شکایتِ خلشِ خار کیا کریں

جنت میں اس لباس سے جانا محال ہے
زاہد سے لیکے جبہ و دستار کیا کریں

رخصت ہوئی ہے طاقتِ پرواز پہلے ہی
آزاد ہو کے مُرغِ گرفتار کیا کریں

کانوں میں آ رہی ہے برابر صدائے یار
آرام اُن کے عاشقِ رفتار کیا کریں

ہوتا ہوں قتل اُن کی نزاکت کو دیکھ کر
کھنچتی نہیں ہے ہاتھ سے تلوار کیا کریں

کیا کم یہاں جلے کہ ہو جلنے کا ڈر وہاں
دوزخ کا خوف اُن کے گنہگار کیا کریں

دیکھیں تو جان جائے نہ دیکھیں تو جان جائے
آخر کسی کے طالبِ دیدار کیا کریں

جاویدؔ اور دل کا لہو آئے جوش میں !
اب میکدے میں بیٹھ کے میخوار کیا کریں

خاک ہو کر بھی حمیت کسی انساں میں نہیں
ہمکلام ایک سے شہرِ خموشاں میں نہیں

سیکڑوں تیر بھی ارماں بھی نکلے دل کے
تم تو سمجھے تھے کہ کوئی دلِ ویراں میں نہیں

دیکھنے والوں کو رلوائے لہو کے آنسو
اتنی تاثیر بھی کیا خونِ شہیداں میں نہیں

تم کہاں جاؤ گے ہیں پاؤں رگڑنے کے نشاں
لے گئی سب کو اجل اب کوئی زنداں میں نہیں

میرے مرنے کی خبر سُن کے کہے گا تجھ سے
کیا اب اتنی بھی مروّت ترے دل میں نہیں

اپنے مرنے کی مُبارک ہو دُعا غیروں کو
اِک لحد کی بھی جگہ کوچۂ جاناں میں نہیں

شب تاریک لحد میں یہی کام آئے گا
جو چمک داغ میں ہے مہرِ درخشاں میں نہیں

دم نکلنے کا اسیروں کے تعجب ہے نہیں
بند زنداں کا ہے در اور کوئی زنداں میں نہیں

یہ تلاطم یہ اُداسی جو ہے میرے گھر میں
صبحِ محشر میں نہیں شامِ غریباں میں نہیں

گرد پھر پھر کے یہ کہتی ہے زلیخا کی نگاہ
جو قمر میں ہے وہ مہ پارۂ کنعاں میں نہیں

ساتھ ہر ایک نے چھوڑا کہ اجل آتی ہے
درد بھی آج ہمارے دلِ ویراں میں نہیں

وہی انجام ہے اپنا بھی جو اوروں کا ہوا
جز ہمارے کوئی بھی اب خانۂ ویراں میں نہیں

کہیں ہو سکتا ہے عشاق میں یوسف کا شمار
چاک دامن میں اگر ہے تو گریباں میں نہیں

پیچ عشاق کی تقدیر کا ایسا جاوید
زلف سنبل میں نہیں کاکلِ پیچاں میں نہیں

ارمان بھی لحد میں منہ ہم سے موڑتے ہیں
جو دوست تھے قدیمی وہ ساتھ چھوڑتے ہیں

بلبل مثالِ غنچہ مُرجھا گئی چمن میں
کیا درد اُن کے دل کو جو پھول توڑتے ہیں

شکوے جو کچھ کئے ہیں چتون یہ کہہ رہی ہے
باتیں بنا رہے ہیں کچھ دل سے جوڑتے ہیں

میں اپنے پہلوؤں میں دل اپنا ڈھونڈتا ہوں
محفل میں وہ جو شیشہ پتھر سے توڑتے ہیں

شاداں نہیں کوئی چمن روزگار میں
دیکھا گلوں کو چاک گریباں بہار میں

آتا نہ میں رقیب کے ہمراہ تیرے پاس
پر کیا کروں کہ دل ہی نہ تھا اختیار میں

حاضر ہے جان تک ابھی اے شوق قربِ دوست
اک قبر کی جگہ جو ملے کوئے یار میں

کچھ خونِ گرم پھر کسی گوشہ میں رہ گیا
روشن چراغ ہے دلِ امیدوار میں

ہر گل ہے اپنا چاک گریباں کیے ہوئے — لائی ہے رنگ اسیری بلبل بہار میں
گر آج بچ گیا تو نشیمن جلے گا کل — سو بجلیاں ہیں دامنِ ابرِ بہار میں
جاوید غور سے جو نظر کی سوئے چمن
شامل خزاں کے رنگ کو پایا بہار میں

بات جو آپ کے ہے پھول سے رخساروں میں نہیں — کس نے اس رنگ کے گل دیکھے ہیں گلزاروں میں نہیں
مرض عشق حقیقی کا مداوا ہے محال — خود یہاں حضرت عیسیٰ بھی ہیں بیماروں میں
پھر دوبارہ کبھی تکلیف نہ دی موت کو بھی — کون تھا مجھ سا غیور آپ کے بیماروں میں
جتنے طائر ہیں وہ سب صورتِ تصویر بنے — کوئی کیا مر گیا پھر تازہ گرفتاروں میں
ہے یہ انجام محبت یہ کہا بلبل نے — ٹکڑے اب دل کے رہا کرتے ہیں منقاروں میں
کیا شبِ ہجر نے اندھیر کیا ہے جاوید
نہ تو داغوں میں ضیا ہے نہ چمک تاروں میں

اشکوں کا اک ہجوم ہے چشمِ پُر آب میں — قدرت خدا کی جوش تلاطم حباب میں
کس حد کی نازکی ہے رُخِ لاجواب میں — چہرہ نقاب میں ہے کہ بو ہے گلاب میں
ترسیں گے آج غیر بھی میری طرح ضرور — ہوتا ہوں خوش میں دیکھ کے چہرہ نقاب میں
ہر صدمہ کش کو مل گئی راحت جہان میں — اک ہم تھے ایک سے جو رہے انقلاب میں
جاتی نہیں ہیں میرے ستانے کی عادتیں — ہنس ہنس کے کہہ رہے ہیں کہ آئیں گے خواب میں
اتنا تو ان کی شرم سے نکلے گا کام بھی — انکارِ وصل لکھ نہ سکیں گے جواب میں
کہتا ہوں میں کہ وصل کا وعدہ نہ ہو کہیں — فقرہ مٹا دیا جو لکھا تھا جواب میں
کچھ ذکرِ وصل لکھا نہیں خط میں کہ لطف ہو — گر کچھ نہیں نہیں تو جو لکھا تھا جواب میں
قاصد کے مسکرانے سے ہوتا ہے یہ گماں — اقرارِ وصل پہلے لکھا تھا جواب میں
جاوید پھل ملیگا تواضع کا دھر میں
جھک مثلِ شاخ سب سے جہانِ خراب میں

رنج و غم و الم نہیں سوزِ جگر نہیں — کیا ہے اُدھر جدھر کو تمہاری نظر نہیں
ویران دل کو دیکھ کے میں آج رو دیا — کیا تیری آرزو کے یہ رہنے کا گھر نہیں
حسرت ہے بیکسی ہے مصیبت ہے یاس ہے — میت کے ساتھ سب ہیں ابھی بے خبر نہیں
اچھا وہ دیکھیں ترچھی ہی نظروں سے میری قسمت — اتنا تو ہے کہ غیر کی جانب نظر نہیں
دل خاک میں ملا ہے کسی بے گناہ کا — مطلب بغیر شرم سے نیچی نظر نہیں

جاوید کیوں تباہ ہیں اب دل کی حسرتیں
کیا ان کا میرے ساتھ لحد میں گذر نہیں

بعد مرنے کے فشارِ قبر سے دم بھی نہیں — کون کہتا ہے زمیں میں آسماں ہوتا نہیں
سوزِ باطن بھی چھپا نہیں رازِ دل اُنسے کم نہیں — استخواں جلتے ہیں لیکن کچھ دھواں ہوتا نہیں
اس قدر اخفائے رازِ عشق کا ہے دل کو پاس — آگ بھڑکی ہے جگر میں پر دھواں ہوتا نہیں

کیا شبِ تاریک فرقت میں ضیائے داغ ہے
دل بجھا جاتا ہے پر تیرہ مکاں ہوتا نہیں

شکوہ ادا کرے گی خفا ہوگی ناز کی — میت مری اُٹھانے میں پہلو ضرر کے ہیں
کچھ بیگنہ جو حشر میں پہنچے ہیں داد کو — اُن کو بھی اشتیاق ہماری خبر کے ہیں
کیا اے کلیم دیکھ کے آئے ہو طور پر — شُہرے ہر اک طرف کو تمہاری نظر کے ہیں
اِک عمر سے بلاتا ہوں آتی نہیں مگر — انداز موت میں بھی اسی بے خبر کے ہیں
تسکین ایسی دیتے ہیں تا پھر نہ آئے چین — ان کی محبتوں میں بھی پہلو ضرر کے ہیں
دل کو ملا کے خاک میں بیٹھے ہیں دیر سے — مشتاق آج ہم تری ترچھی نظر کے ہیں
افشاں لگی ہے مانگ پہ بھی اور جبین پہ بھی — تارے یہ شام کے ہیں وہ تارے سحر کے ہیں
رونق کو اس کی لے کے گیا کون اپنے ساتھ — تیور ہی کچھ بجھے ہوئے شمعِ سحر کے ہیں
بُلبل وہ ہوں کہ پر بھی نہیں میرے کام کے — ٹوٹے ہوئے ادھر کے شکستہ ادھر کے ہیں

دیکھو محل نہیں ہے نہ ہنسنا میانِ بزم!
کچھ زخم اچھے ہونے پہ قلب و جگر کے ہیں

ابتک تو کمی کچھ نہ ہوئی داغ جگر میں — برسوں سے چراغ ایک ہی جلتا ہے گھر میں
ظاہر میں ہنسے وہ مگر آنسو نکل آئے — تھا کوئی اثر بھی مرے مرنے کی خبر میں
رنگ اڑنے نہ دو نگار تری تصویر رخ کے ہے — باقی ابھی کچھ خون کے قطرے ہیں جگر میں
توسیع خیالات کی حد مل نہیں سکتی! — چھوٹا سا بیاباں نظر آجاتا ہے گھر میں
اب بڑھ نہیں سکتا غمِ دنیا یہ خوشی ہے — زخموں کی جگہ تک نہیں باقی ہے جگر میں
ان انکھڑیوں کے سرخ ہیں ڈورے نہیں بھلا — یہ بجلیاں ایسی ہیں جو ابتک ہیں نظر میں
ناواقفِ انجام کا دل ہوتا ہے کتنا — خود رو دیا دیکھے جو کبھی زخم جگر میں

اس دور میں آپ آئے تھے ای حضرتِ جاوید
جس عہد میں کچھ فرق نہ تھا عیب و ہنر میں

مجھ کو جینے سے فائدہ بھی نہیں — اور پھر مرضیِ خدا بھی نہیں!
نہیں معلوم کیا میں کہتا ہوں! — تم نہیں ہو تو کیا خدا بھی نہیں!
موت اب زندگی بھی ہے مجھ کو — جب مرے درد کی دوا بھی نہیں
سر بالیں وہ مسکراتے ہیں — میری تقدیر میں شفا بھی نہیں
جھلملاتا ہے صبح کا تارا! — ابتو جینے کا آسرا بھی نہیں

درِ دلدار پاؤں کیا جاوید
کہیں دو چار نقشِ پا بھی ہیں

وہ جگر ہی نہیں صدموں سے جسے ساز نہیں — دل ہی وہ خوب نہیں جس میں ترا راز نہیں
کہیں پامال کسی دل کو کر آئے ہو ضرور — آج رفتار میں ہر روز کا انداز نہیں
باخبر اپنی جفاؤں پہ جہاں میں ہو وہ کیا — ٹوٹتے ہیں دل مجروح کے آواز نہیں

اب مری لاش اٹھانے کو چلے آتے ہیں
آج وہ ناز نہیں آج وہ انداز نہیں

عشق جو آ جائے تو کیا دیکھنے جاؤں جاوید
کل جو تھا آج وہ کیا چال کا انداز نہیں

نزع میں بھی اضطراب اس قلب کا جاتا نہیں
بے سنہا کے ہاتھ سے دل کو رہا جاتا نہیں

چپ رہا جاتا نہیں محفل میں کیوں کر چپ رہوں
کچھ کہوں تو کیا کہوں کچھ بھی کہا جاتا نہیں

دیکھ ہی لیتے ہیں ان کے دیکھنے والے کہیں
ان سے تو خود بھی سر محفل چھپا جاتا نہیں

نزع میں اور ہجر میں کچھ ایک سی حالت رہی
سچ تو ہے دل سے تڑپنے کا مزا جاتا نہیں

سر جھکائے چپ کھڑے ہیں مجرمانِ عشق سب
داورِ محشر کے آگے کچھ کہا جاتا نہیں

وہ سمجھتے ہیں کہ ہوتا درد تو کہتا ضرور
یاں اشاروں میں بھی حال اپنا کہا جاتا نہیں

ہے پریشاں بزم میں میری طرح میری نگاہ
دیکھنے میں جرم بے دیکھے رہا جاتا نہیں

ایک دن صیاد کے دل پر ہوا تھا کیوں اثر
اب تو بے نالے کیے ہم سے رہا جاتا نہیں

نامہ بر سے خط مرا لے کر یہ فرماتے ہیں وہ
یہ تو ہے تقدیر کا لکھا پڑھا جاتا نہیں

آرزوؤں ایک نکلی اب کسی امید میں
اور ارمانوں سے بھی دل میں رہا جاتا نہیں

چھیڑ کرنے میں نگاہِ شوق میری قہر ہے
آج پردے میں کسی سے خود چھپا جاتا نہیں

طور پر موسیٰ کو ہے پاسِ ادب بھی شوق بھی
آئے ہیں کہنے کو کچھ لیکن کہا جاتا نہیں

اے نقاہت بسترِ غم پر نہ تڑپوں کس طرح
درد تو اٹھتا ہے اور مجھ سے اٹھا جاتا نہیں

دیکھ اے مجنوں تعلق دل کا بھی کیا چیز ہے
اب تو لیلیٰ سے بھی بے دیکھے رہا جاتا نہیں

نظم میں جاوید تیری لطف بھی ہے درد بھی
جو سمجھ ہی میں نہ آئے وہ کہا جاتا نہیں

کچھ بھی نہیں ہے پاس جو پہلو میں تو نہیں
کس کام کا ہے پھر جو رگوں میں لہو نہیں

جس دن سے یہ سنا کہ چھپیں گے وہ حشر میں
اس دن سے موت کی بھی مجھے آرزو نہیں

اس کے دیکھنے کو مجھے اشتیاق ہے !
جو یہ کہے کہ دل میں کوئی آرزو نہیں

پھر ان کا کیا قصور جو آتا نہیں ہے رحم
سمجھے جسے کوئی وہ مری گفتگو نہیں

پہلے ہر ایک شکر کے لازم ہے اس کا شکر
وہ دل ملا کہ جس میں کوئی آرزو نہیں

فصاد بھی خجل ہے مری فصد کھول کر
جس رگ کو چھیڑتا ہے اسی میں لہو نہیں

جاوید ایک راہ سے دشمن بھی دوست ہے
تیرا عدو کلام کا تیرے عدو نہیں !

کرے جو سنگ کو اب اس اثر کو دیکھتے ہیں
وہ آئینہ کو ہم ان کی نظر کو دیکھتے ہیں

یہی وہ ہے جو پڑی تھی کسی کے چہرہ پر
ہم آئینہ میں خود اپنی نظر کو دیکھتے ہیں

اٹھی ہوئی ہیں نگاہ اسی تمنا میں !
ہر ایک کہتا ہے دیکھیں کدھر کو دیکھتے ہیں

نہ اعتبار ہے جینے کا اور نہ مرنے کا
کبھی ہنسیں کبھی روئے سحر کو دیکھتے ہیں

بھری ہے روشنی چشم دیدۂ یعقوب
اب اپنی آنکھ سے نور نظر کو دیکھتے ہیں

نگہ کے تیروں سے غربال ہوگا پہلو بھی
وہ آج کیوں مرے زخم جگر کو دیکھتے ہیں

ابھی تو عشق نہیں ہے مگر اداس ہے دل
یہ کیا کہ آہ سے پہلے اثر کو دیکھتے ہیں

سمجھ لیے ہیں کہ جیتے ہیں اور قبر میں ہیں
اسیر بند جو زنداں کے در کو دیکھتے ہیں

جو شوق دید ہے موسیٰ تو غش کا کیا شکوہ
وہیں وہ دیکھتے ہیں جب ادھر کو دیکھتے ہیں

جنھیں کہ دخل نہیں فن شعر سے جاوید
یہ عیب کو نہ کسی کے ہنر کو دیکھتے ہیں

گل مسکرائے بڑھ گئی نخوت دماغ میں
شبنم جو بے بلائے چلی آئی باغ میں !

نکلے جو دم اسیر کا تو بوئے گل کے ساتھ
اس وقت موت آئے قفس جب ہو باغ میں

دن کو بجھا ہوا ہے تو جلتا ہے رات کو
جو دل میں سوز ہے وہ نہیں ہے چراغ میں

شرما کے جائے یوں کہ نہ آئے کبھی خزاں
اک دن بہار بن کے جو تم آؤ باغ میں

اب کیا یہ چاہتے ہو کہ غش سے کوئی اٹھائے
موسیٰ یہ کیا سمائی ہوئی ہے دماغ میں

تقدیر دیکھیے کہ نہ آئی بہار بھی
ہم سے اسیر جا کے رہے جب سے باغ میں

ارمان پھر ہوا ہے کوئی مہمانِ دل
پھر اک چمک اٹھی کلیجہ کے داغ میں

پھر آئے ہر طرف مری حسرت بھری نگاہ
صیاد اتنی دیر تو رہنے دے باغ میں

صیاد گل سے آلے ہوئے ہیں جگر کے داغ
ہم خود سمجھ گئے کہ بہار آئی باغ میں

طلسم آبلہ آخر کو ٹوٹا دہر فانی میں
لہو میں یہ لہو تھا اور پانی تھا یہ پانی میں

نظر کا خوف ہی ظالم پسینہ پونچھ بیٹھے کا
ارے ظالم کہیں جلتے ہیں یوں فصل جوانی میں

کبھی کی دیکھ کر تصویر رونا آگیا آخر
پتہ دیتی ہے یہ اتنا کہ ہنستے تھے جوانی میں

گلے ملتے ہیں جس میں رات کی نیندیں بھی اڑ جائیں
جفا کا کوئی پہلو ہے تمہاری مہربانی میں

وہیں پر اس کا یہ کہنا کہ کس پر جان دی ہم نے
جہاں پر ذکر مر جانے کا تھا میری کہانی میں

دلِ بیتاب و مضطر بس جدھر آیا ادھر آیا
وہ عالم ہے کہ جو ہوتا ہے دریا کی روانی میں

کلیجے کی رگیں کھنچنے لگیں ہو ٹوٹنے دم آیا
کسی نے لی جو انگڑائی ادھر جوش جوانی میں

نہ اتنا بھی سمجھنے پائے دل میں حسرتیں کیا ہیں
ادھر مدہوش آئے موت آئی ادھر فصل جوانی میں

ہے قصہ مختصر اس نے نہ پوچھا مر گیا کوئی
بہت اے قصہ گو کیوں طول دیتا ہے کہانی میں

کلیجہ تھام کر رہ یوں ہم دنیا سے جاتے ہیں
اجل کا اک تو یہ آنا اور وہ بھی نوجوانی میں

میں رویا کہ روتے روتے نہ درست کیں نہ آنکھیں
یہ مطلع لکھدو اے جاوید دیوانِ معانی میں

واہ اپنوں کی نگاہیں پھر گئیں !
تا بہ لب آ آ کے آئیں بھر گئیں !

چشم ساقی نے اشارہ کیا کیا !
کیوں یہ مستوں کی نگاہیں پھر گئیں

مرتے دم برگشتگی بخت سے
دونوں آنکھوں کی نگاہیں پھر گئیں

بس بس اے چشم فسوں ساز الحذر
اپنو عالم کی نگاہیں پھر گئیں

ردیف و

ہے فروزاں جو دلِ شمع تو رونق ہے ضرور
اب تو ہوتی ہے یہی رائے کہ جل جانے دو

آشیانہ مرا رہنے کے بھی قابل نہ رہا
جل چکا نصف تو باقی کو بھی جل جانے دو

وقت یہ کون ہے غیروں سے گلے ملنے کا
اِک ذرا دور جنازہ تو نکل جانے دو

بدگمانی نہ بار بار کرو
میرے مرنے کا اعتبار کرو

وہ نہ آئے اجل قریب آئی
حد ہوئی اب نہ انتظار کرو

آنسو آنکھوں سے نکلے آتے ہیں
تم شکایت نہ بار بار کرو

شام ہجر آئی ہے یہ کہنے کو
تا قیامت تو انتظار کرو

جاں کنی میں بھی دیکھ جاؤ مجھے
اور تکلیف ایک بار کرو

پھر قیامت میں ہوگی حشر کی بھیڑ
کیوں ہر ایک کو اُمیدوار کرو

چین سے بیٹھنا نہیں ملتا
اور عالم کو بیقرار کرو

سُن لو جاوید کا بھی افسانہ
کون کہتا ہے اعتبار کرو

ہوئی ہے ذبح کے بعد ایسی آرزو کس کو
نکل کے ڈھونڈھ رہا ہے مرا لہو کس کو

میانِ حشر ہر اک سر جھکائے ہے اپنا
کہ دیکھئے وہ بلاتے ہیں روبرو کس کو

غم اپنی موت کا مطلق نہیں اسیروں کو
یہ فکر ہے کہ ستائے گا کل سحر تو کس کو

کسے کلیم نے پایا تھا کوہ طور سے دور
جگہ ملی تھی قریب رگ گلو کس کو

ہوا کی چھیڑ سے باہر ہوئی یہ جامے سے
چھپے تو حسن دکھلائے گلوں کی بو کس کو

وہ منہ چھپائے ہیں محشر میں دونوں ہاتھوں سے
دکھاؤں حال پریشانیِ عدو کس کو

جو اپنی بات کا مطلب نہ خود سمجھتا ہو — پسند آئے گی ایسے کی گفتگو کس کو
سحر کا چاک گریباں ہے چھپ رہے ہیں نجوم — چلی ہے لے کے زمانہ سے آرزو کس کو
نہ منہ کو پھیر کے کر ذبح رشک ہوتا ہے — میں دیکھتا ہوں تجھے دیکھتا ہے تو کس کو

کیا ان کو گر کسی کا کلیجہ فگار ہو — ترچھی نظر ہو سرمہ دنبالہ دار ہو
حشر میں بے گناہوں سے بولے گنہگار — دیکھیں تو کس پہ رحمت پروردگار ہو
اپنی جگہ پہ حضرت موسیٰؑ کو بھی ہے ناز — جس کو کہ غش نہ آئے وہ کیا ہوشیار ہو
مجرم کھڑے ہیں سر کو جھکائے میان حشر — یہ سوچ ہے کہ دیکھئے کس کی پکار ہو
اپنی نگاہِ آئینہ میں دیکھتے تو ہیں — دیکھوں یہ تیر کس کے کلیجہ کے پار ہو
کس کس کو دیکھ ہوتی ہے مرنے کی آرزو — تم بھی کسی کے غم میں اگر سوگوار ہو
گر یوں نہیں تو خیر تصور ہی میں وہ آئیں — یہ بھی کہیں نہ اُن کی نزاکت پہ بار ہو
محبوب کی طرح مرے پہلو میں درد ہے — اس سے بھی ہو فراق تو سینہ فگار ہو
موسیٰ پہ غش کی دیر کسی کے خلاف ہے — کھلتا ہے راز دوست بس اب ہوشیار ہو
تابوت میں چھپا لیا منہ کو یہ شرم ہے — اب جو ہوا اے کریم وہ زیر مزار ہو
جاوید یہ کلام میں دیکھا نہیں ہے درد — کیونکہ نہ ہر طرف کو تمہاری پکار ہو

کوئی اس طرح سے جاگے کہ نہ آئے کبھی نیند — کوئی اس طرح سے سو جائے کہ ہشیار نہ ہو
رہ گیا آئینہ خود چشم تمنا بن کے — یوں کوئی محو تماشائے رخِ یار نہ ہو
یوں ہی بچپن ابھی رہتا تو بہت بہتر تھا — آمدِ فصلِ جوانی سے وہ ہشیار نہ ہو
آئینہ دیکھ کے بے ساختہ کہہ بیٹھے ہیں — توبہ اس حسن کا اور کوئی خریدار نہ ہو
آپ جاوید بجا لا چکے ارشادِ امیر — طرح گر خوب ہو تو فکر بھی بیکار نہ ہو

خوشی ہے دل کی ذرا دیکھ بھال لے مجھ کو
پکارتا ہے کلیجہ سنبھال لے مجھ کو
نہ بیخودی کی شکایت نہ غش کا ہو شکوہ
میں دیکھ لوں تجھے اتنا سنبھال لے مجھ کو
تڑپ رہی ہے ہر اک موج رو رہے ہیں حباب
میں ڈوبتا ہوں کوئی تو نکال لے مجھ کو
کہاں کی موت کہاں کی غشی کہاں کا مرض
ابھی سنبھلتا ہوں گر وہ سنبھال لے مجھ کو
وہ میرے دفن سے جاویدؔ ہاتھ اٹھائیں گے گر
کہے گی لاش کہ ظالم سنبھال لے مجھ کو

جو ایسی خوش نصیبی ہو تو کیوں کر ترک شیون ہو!
اگر ہو آنکھ میں آنسو تو منھ پہ اُن کا دامن ہو
قدم بے مقصد اُٹھ جائیں گے میرے دل کی دھڑکن سے
وہاں پر کیوں چلے کوئی جہاں بیکس کا مدفن ہو
یہاں کا ذکر کیا محشر تلک ہمراہ ہیں دونوں
کسی کا خون ناحق ہو کسی ظالم کا دامن ہو
وہیں جاتی ہے بوئے غنچۂ تر مجھ سے ملنے کو
جہاں صیاد پہلے تھا وہیں اب بھی نشیمن ہو
فسردہ داغ گو ہے روشنی لیکن نہیں گھٹتی
چراغ ایسا نہیں کوئی جو بجھنے پر بھی روشن ہو
وہ میری لاش کے ہمراہ سر کے بال کھولے ہیں
یہی مدِ نظر ہے دم نکلنے پر بھی اُلجھن ہو
برابر ہوتی ہے تکلیف کچھ جاویدؔ دونوں سے
برا ہی کیا ہے کوئی دوست ہو تیرا کہ دشمن ہو

یہ کیا ہے اک ذرا دل کو سنبھالو
ہماری لاش تو پہلے اُٹھا لو!

مجھے بھی امتحاں اپنا ہے منظور !
جہاں تک ہو سکے تم سے ستا لو !
کسی کی بزم کیوں ویران کر دو
کسی کے دل کے کیوں ارماں نکالو
شبِ تاریک سحر آتی ہے جاوید
چراغوں کو سویرے سے جلا لو

چُپ جو رہتا ہوں تو اک چھیڑ کئے جاتے ہیں
حال کہتا ہوں تو کہتے ہیں سناتے کیوں ہو
مجھ ہی کمبخت سے پردہ ہے تو دیکھوں نگاہیں
دامنِ غیر سے تم منھ کو چھپاتے کیوں ہو
شاہد حال ہے ماتھے کا پسینہ سرِ بزم
درد اس حد کا ہے دل میں تو چھپاتے کیوں ہو
پھر گئے دوست بھی قسمت کی طرح اے جاوید
خیر کچھ شعر کہے ہیں تو سناتے کیوں ہو

نا امیدی ہو جو صحت سے تو خونبار نہ ہو
زخمِ احسان کشِ مرہمِ زنگار نہ ہو
عادتِ ظلم یہ کہتی ہے کہ اُٹھ دیر نہ کر
نیند کہتی ہے جوانی کی کہ ہشیار نہ ہو
جس کے چہرے کو وہ دیتے ہوں ہوا دامن کی
ہوش بھی ایسے کو آجائے تو ہشیار نہ ہو
غش کے حیلہ سے نہ دیکھا کہ نہ پھر آئے گا چین
اے کلیم آپ سے بڑھ کر کوئی ہشیار نہ ہو

رحم کھاتے کبھی دیکھا نہیں جلادوں کو !
مسکراتے ہیں وہ سن کر مری فریادوں کو
کب مجھے قید کیا طولِ اسیری دیکھو !
وہ زمانہ بھی رہا یاد نہ صیادوں کو
حشر برپا کروں دنیا میں خدا چاہے اگر
بے اثر سمجھے ہیں یہ بت مری فریادوں کو
بلبلیں خوف سے پتوں میں جو چھپ جاتی ہیں
شاخیں جھک جھک کے بتا دیتی ہیں صیادوں کو
باغ سے فصلِ بہاری میں چلے جب کلیم
بلبلیں یاس سے تکنے لگیں صیادوں کو

رحم آتا ہے ہر اک شخص کے دکھلانے کو
خود بھی جاتے ہیں لحد تک مرے پہنچانے کو

جب نہیں شیشۂ دل میں جو کوئی لائے شراب
منہ لگاتے نہیں وہ خاک کے پیمانے کو

کچھ سبب ہوتے ہیں پیدا جو بری قسمت ہو
غیر کے ہاتھ سے گردش ہوئی پیمانے کو

اس کی مشتاق ہے خود فصل بہارِ گلشن
موسم گل میں کرو قید نہ دیوانے کو

میری قسمت کو ذرا یاد ہی کر لیں میکش
گردشیں بزم میں جب آتی ہوں پیمانے کو

اس سے بہتر کوئی جاوید نہیں صاحب شوق
دل کو میں بھیجتا ہوں یار کے بلوانے کو

پہچان میری خاک ہے گر بیکسی نہ ہو
اچھا تو ہے کہ قبر پہ کچھ روشنی نہ ہو

ہاتھ اپنے اپنے دل پہ رکھیں صاحبانِ درد
وہ داستاں کہوں جو کسی نے سنی نہ ہو

کب بے سبب ہیں جوش میں شیشے شراب کے
ان پر نگاہِ مست کسی کی پڑی نہ ہو

پچھلے کو شمع کہتی ہے وقت امتحاں کا ہے
اے اشک اب تو سوزِ جگر میں کمی نہ ہو

رکھے ہیں ہاتھ سینہ پہ وہ بہر امتحاں
کہتا ہے دل کہ درد جگر میں کمی نہ ہو

جاوید حوصلے ہیں ہزاروں شب وصال
میں انکو لاکھ نکالوں کمی نہ ہو

مرنے کی میرے دے کے خبر دیکھ لے کوئی
سب کو تو ہو یقیں مگر ان کو یقیں نہ ہو

رونے پہ میرے لوگ زمانے کے روتے ہیں
مجھ کو نہ غم ہو تو کوئی اندوہ گیں نہ ہو

اب ان کے جھوٹے وعدوں پہ کہنے لگا ہے دل
سچ بھی اگر کہیں تو کسی کو یقیں نہ ہو

اے ضبط دل بھی تھامنے کا ہو گا اشتباہ
سینہ پہ میرا ہاتھ دمِ واپسیں نہ ہو

آتا ہے دل میں غیر کے وعدے کا بھی خیال
کیوں کر کہوں کہ لب پہ کسی کے نہیں نہ ہو

آواز ساتھ چھوڑ دے نالے کروں اگر
چپکے سے روؤں گر تو کسی کو یقیں نہ ہو

دیدے کے جان ہجر میں کھویا ہے اعتبار
اب مر بھی جاؤں میں تو کسی کو یقیں نہ ہو

وہ کیا مرے جو موت بھی پوچھے نہ جس کی بات
وہ کیا جیے کہ جس کا ٹھکانا کہیں نہ ہو

جاویدؔ مل کے بزم میں بیٹھیں گے اہلِ فن
آئیں تو حاسدوں کا ٹھکانا کہیں نہ ہو

کیونکر نہ طرفہ ان کی نگہ کا فسانہ ہو
دیکھیں کسی کو قلب کسی کا نشانہ ہو
بہتر ہے اپنے دل کو دکھا دوں میں آپ ہی
آنسو بہانے کا بھی تو کوئی بہانہ ہو
اللہ ری ہوس کہ یہ کہتی ہے عندلیب
ہر شاخ پر چمن کی مرا آشیانہ ہو
دیکھوں تو آسمان کا کتنا ہے حوصلہ
پھر برق ادھر گرے جدھر آشیانہ ہو
دشمن ہو تم تو سب کی بر آئے دلی مراد
تم دوست ہو اگر تو عدو اک زمانہ ہو
الزام کس طرح سے حسینوں کو دے کوئی
بس جان ادا سے بھی تو قضا کا بہانہ ہو
کس جرم پر اسیر کیا تھا وہ بھول جائیں
یارب ہماری قید کو اتنا زمانہ ہو
زخموں میں ٹیس ہو جو بھروں آہ سرد بھی
ناساز اس قدر تو ہوائے زمانہ ہو
جاویدؔ کیا بتاؤں کس آفت میں جان ہے
کہتے ہیں لوگ یہ بھی غزل عاشقانہ ہو

ہے کس کا آئینہ میں عکس جلوہ گر دیکھو
یہ کون دیکھ رہا ہے تمھیں ادھر دیکھو
کلیجہ شق ہو جو حسرت بھری نظر دیکھو
ہماری لاش جدھر ہے نہ تم اُدھر دیکھو

ایسا اثر ہو جس پہ فدا سب کی جان ہو
تیرا بیان اور مری داستان ہو
رسوا ہوں وہ جو قصۂ فرقت بیان ہو
مرنے سے پہلے ہماری زبان ہو
ہے ذہن میں ابھی کہ چلو چل کے سوئیں بھی
پھر کیا ہو گر زمین بھی آسمان ہو
اک دن بگاڑ دی ہیں مرے دل کی عادتیں
اب روز چاہتا ہوں کہ وہ مہربان ہو
اپنی جگہ پہ اک ہی پہچان اس کی ہے
سب آرزوئیں اور ہوں جب وہ جوان ہو

(ردیف ھ)

بگڑی تقدیر مری غیر کی تقدیر کے ساتھ
رنگ تصویر کا اُڑنے لگا تصویر کیساتھ

مضطرِ دل کا اثر یا ہے ترے پیکاں پر
حرکت قلب گویا ہو رہی ہے تیر کیساتھ

کام لیں لوگ اگر چشم حقیقت بیں سے
دیکھ لیں مری نگہ کو تری تصویر کیساتھ

مجھ کو قیدی وہ بناتے ہیں ہمیشہ کیلئے
حشر بھی ہوگا تو ہوگا اسی زنجیر کیساتھ

سب کے چہروں پہ بحالی تھی کبھی یاس کبھی
رنگ محفل کا بدلتا رہا تقدیر کیساتھ

ارے کافر کسی حیلہ سے خدا کو بھی پکار
کاٹتا ہے تو گلا کاٹ لے تکبیر کیساتھ

وہ کلیجہ تھا کہ دل تھا یہ بتا دے ظالم
کچھ مرے سینہ سے نکلا تھا ابھی تیر کیساتھ

دیکھ جاوید یونہیں شعر مزے کے کہنا
عشق اصلی جو تجھے ہے سخن میر کے ساتھ

چھیڑ ہر وقت کی اچھی نہیں بسمل کیساتھ
کیوں بناوٹ سے ہنسا کرتے ہو روتے دل کیساتھ

بے زبانی تھی مری خود باعث اظہار شوق
میری خاموشی کیا کرتی تھی باتیں دل کیساتھ

تیرہ بختی میں کوئی دل سوز اتنا بھی نہ تھا
شمع اک شب بھر جلی محفل میں میرے دل کیساتھ

آج پھر سینہ میں میرے درد اٹھے گا ضرور
آج پھر باتیں کرینگے بیٹھ کر وہ دل کیساتھ

دفن میں ہوتا ہوں تم بھی یہ تماشا دیکھ لو
خاک میں سب حسرتیں ملتی ہیں میرے دل کیساتھ

کوئی کیا جانے کہ کیا دیکھا جو گھبرا کر کہا
بسملوں کا دم نکلتا ہے بڑی مشکل کیساتھ

اس کی گھبرائی ہوئی صورت پہ بخشے سب گناہ
عرصۂ محشر میں میں آیا تھا کیوں قاتل کیساتھ

کچھ تسلی دیکے عادت بھی بگاڑی آپ نے
یہ محبت بھی عداوت تھی ہمارے دل کیساتھ

ٹوٹ جائیگا بس اتنی بات ہے نازک ہے یہ
نام کیوں شیشہ کا لیتے ہو ہمارے دل کیساتھ

دیکھئے قسمت کہ موت آئی تو وہ بھی آئے ہیں
دم بھی مجھ کمبخت کا نکلے گا اب مشکل کیساتھ

تم کو کیا آتا ہے جاوید کیوں اتنا ہے ناز
خیر کہہ تو شعر کچھ اچھے برے مشکل کے ساتھ

ردیف ی

نہ دل میں سوزشِ غم ہو نہ کوئی داغ جلے
سحر کو جائیے اور آئیے چراغ جلے

سحر کے ہوتے ہی کچھ اور دل کے داغ جلے
کہیں چراغ بجھے اور کہیں چراغ جلے

کسی نے آگ لگا دی تو دل کے داغ جلے
کوئی اگر نہ جلائے تو کیوں چراغ جلے

شبِ فراق نے کی اُن پہ بھی جفا ہر طرح
یہ آچکی تھی میرے گھر میں جب چراغ جلے

اب ان کا ساتھ بھی دینے کے میں نہیں قابل
وہ دل بجھا ہوا یاد آیا جب چراغ جلے

شبِ فراق کی آمد کا ڈر نہ تھا جاوید
چراغ جلنے نہ پائے کہ سب چراغ جلے

نہیں کھلتا کہ مجھ کو فکر یہ ہر بار کیسی ہے
جسے زیبِ کمر رکھتے ہو یہ تلوار کیسی ہے

نقابِ روئے روشن اس قمر نے کیا اٹھائی ہے
یہ کم کم چاندنی شب کو سرِ دیوار کیسی ہے

اِدھر تقدیر ہے میری اُدھر چشمِ تمنا ہے
وہ خوابیدہ ہے کیسی اور یہ بیدار کیسی ہے

اگر گردِ کدورت یوں نہ بڑھتی تو نہ وہ کہتے
زمیں سے دل کی اُفتادہ تو پھر دیوار کیسی ہے

دلِ غافل سے اپنے حضرتِ جاوید پوچھو تو
تجھے یہ آجکل غفلت سی اے ہشیار کیسی ہے

ہنستے ہیں تجھ کو گلِ تر دیکھ کے
آنکھ نیچی کر ستمگر دیکھ کے

سونے والے اس کے سوئے زیرِ خاک
دل بھر آیا خالی بستر دیکھ کے

یوں مٹایا میرے رونے کا اثر
ہنس دیا مجھ کو ستمگر دیکھ کے

ہاتھ دونوں میں نے دل پر رکھ لئے
دیکھا شیشہ کو جو پتھر دیکھ کے

اِک جنوں سا ہو گیا فصاد کو
ڈنگ ہے ہر رگ میں نشتر دیکھ کے
ترک مے جاوید کیا آسان ہے
دل لہو ہوتا ہے ساغر دیکھ کے

کچھ بس نہیں ہے ناز کی طبع یار سے
چھیڑے کوئی کلی تو خفا ہو بہار سے
بڑھنے کا اب بجا ہے گلا زلف یار سے
سو بار گھٹ چکی ہے شب انتظار سے
کوئی مری لحد پہ چلے کیوں ستم کی چال
لپٹا ہوا ہوں گوشہ تنگ مزار سے
مرنے پہ بھی کھلی ہوئی آنکھیں گواہ ہیں
محروم رہ گیا ہوں میں دیدار یار سے
اپنی صدا پہ بھی تری آواز کا ہے شک
یہ بیخودی بڑھی ہے ترے انتظار سے
ہے دل کے ساتھ داغ بھی تربت میں تا حشر
کیا پھول لائے تھے چمن روزگار سے
جاوید باغ خلد کی سیریں ہیں اور ہم
مایوس کیوں ہوں رحمت پروردگار سے

شب فراق میں یہ دل سے گفتگو کیا ہے
مری امید ہیں وہ ان کی آرزو کیا ہے
رگیں تمام بدن کی ادھر کو کھینچتی ہیں
کسی کا ہاتھ قریب رگ گلو کیا ہے
شکست آبلۂ پا نے آبرو رکھ لی
کھلا نہ حال کہ پانی ہے کیا لہو کیا ہے
میں اپنی موت پہ راضی وہ لاش اٹھا لے
اب آگے دیکھنا ہے مرضی عدو کیا ہے
یہ کس کو آئینہ میں آپ دیکھے جاتے ہیں
جہاں میں آپ سے بھی کوئی خوبرو کیا ہے
سبب بھی پوچھ لو انکی ضدوں سے اے جاوید
رلا رلا کے ہنسائیں یہ ان کی خو کیا ہے

لحد بنا چکا ہر ایک نقش پا میری
وہ دو قدم جو چلے آ گئی قضا میری
دبی زبان سے وہ کوستے ہیں عاشق کو
یہ ڈر بھی ہے کہ نہ سن لے کہیں خدا میری
خراب ہو گئی عادت مزاج ہو گیا اور
قبول ہو گئی اک بار کیوں دعا میری

اثر سے یاس ہوئی ہے تو خود بھی قائل ہوں
قبول ہونے کے قابل نہ تھی دعا میری

کہاں یہ باتوں میں بہلا لیا ستم گر نے
قبول ہونے ہی کو آج تھی دعا میری

ادا سے دیکھ لو کوئی نہ پھر رہے شکوہ
ہزار درد ہیں اور ایک ہے دوا میری

ہوئی ہے دشمنِ جاں یہ بھی بیوفا میری
ادا دکھا رہی ہے دور سے قضا میری

یہ کس کے رعب سے آتا نہ تھا قریب کوئی
اُٹھے وہ پاس سے اور آ گئی قضا میری

ادائیں کس نے سکھائی ہیں اسکو اے جاوید
کدھر کو چھپ رہی آئی ہوئی قضا میری

چلو کیا کام ہے اس داستاں سے
تمھیں اچھے سہی سارے جہاں سے

وہاں جا کر رہی وہ بھی نہ باقی
توقع تھی جوان کے پاسباں سے

خموشی نے تمہاری بات رکھ لی
نہ جانیں کیا نکل جاتا زباں سے

مری تصویر اور چہرہ پہ سُرخی
یہ اتنا خون آیا تھا کہاں سے

درِ زنداں کبھی کھُلنے نہ پایا
اندھیرا آ گیا آخر کہاں سے

یقیں جس کو نہ ہو وہ کہہ کے دیکھے
بہلتے ہیں وہ میری داستاں سے

یہ کہنے کو ہوا ہوں مر کے خاموش
نہ آئے جو چلا جائے جہاں سے

کہا یہ جھوٹ ان سے ہو گیا وصل
فقط ارماں نکالے تھے زباں سے

وہ فقرہ نزع میں سن لو تو اچھا
نہ جس کے بعد کچھ نکلے زباں سے

جدھر دیکھو ہے بوئے گل پریشاں
چلو جاوید ایسے بوستاں سے

شبِ وصال جو وہ مجھ پہ مہرباں ہوئے
وفا کے جتنے تھے قصے وہ سب بیاں ہوئے

یہ دل نے کیوں کہا کیا جانیں کیا گماں ہوئے
نہ دیکھیں آئینہ اب آپ بھی جواں ہوئے

ہمیں سے کہتے ہیں ہم لاش اٹھائینگے تیری
نئے طریق سے وہ ہم پہ مہرباں ہوئے

وہیں پہ دفن کی ہم نے وصیتیں کردیں
ترے قدم کے جہاں راہ میں نشاں ہوئے

یہ بچپنے کی ضدیں گر نہیں تو اور ہے کیا
کہو تو جھوٹ یہ کہہ دو کہ تم جواں ہوئے

کسی پہ آئے کہیں ہو غضب کی شے ہے شباب
وہ پھول جو کہ کھلے تھے چمن کی جاں ہوئے

درازیٔ شب فرقت کا حال کیوں پوچھو
کٹی یہ رات نہ پوری کہ تم جواں ہوئے

حسیں جواب بھی دیتے ہیں ایک حسن کے ساتھ
بہار باغ میں آئی تو تم جواں ہوئے

یہ کیا سبب ہے کہ تصویر کے بھی چہرے پر
ہنسی یہ آ گئی جس وقت وہ جواں ہوئے

اب آج دیکھ لو جاوید حد محبت کی
جو میری قبر پہ آئے تو مہرباں ہوئے

ابھی دلوں میں جگہ ہے یہ احتمال ہوئے
ہم آج آئینہ کو دیکھ کر بحال ہوئے

وہی ہوا کہ عیادت بھی کر کے پچھتائے
مریض دیکھ کے کیوں آپ کو بحال ہوئے

ہم اپنے رنج سے آخر میں ہو گئے راضی
انھیں خوشی ہوئی ہم کو اگر ملال ہوئے

شب فراق قیامت کا طول تھا جن میں
ذرا ذرا سے پہر وہ شب وصال ہوئے

لہو بھرا ہوا خنجر میں تھا رقیب کا بھی
ہوئے جو ذبح تو ہم دو طرح حلال ہوئے

ہر ایک نفس نے گرہ رشتۂ حیات میں دی
اب اور یاد نہیں کس قدر ملال ہوئے

تمام عمر کے قصوں کی داد خوب ملی
اب آج مر جو گئے ہم تو وہ بحال ہوئے

ہمیں تو سُرمۂ نبالہ دار نے مارا
یہ وہ چھری تھی جسے دیکھ کر حلال ہوئے

جواب خندۂ گل تھا کہ برق کی یہ چشمک
تری ہنسی یہ نہیں لاکھ احتمال ہوئے

محل اسیروں کی اب قید کا نہیں جاوید
اُتاریں طوق گلے سے کہ سب حلال ہوئے

میں رہوں لیکن نہ لب پر ذکر جانانہ رہے
پھر خموشی لحد کا کیوں نہ افسانہ رہے

اس طرف آ نکلے یہ کہتے فقیر اللہ کے
یہ دکاں چلتی رہے آباد میخانہ رہے

ایک شکوہ ہجر کا اس کو بھی کر ڈالے اثر
سامنے فرقت میں کیوں تصویر جاناں رہے

جس کی باتوں سے سنا ہے وہ بہل جاتے ہیں کچھ
ہوش بھی ایسے کو آئے گر تو دیوانہ رہے

مفت کا احسان رکھے لاش کو گھیرے ہیں سب
تم اگر اٹھ جاؤ تو اپنا نہ بیگانہ رہے

گر رگیں کچھ کھچ کے دم نکلے تو کیوں روکے کوئی
اور یوں ہی دو قدم تک چال مستانہ رہے

جان دیکر ہم یہاں تک آئے ہیں کچھ سوچ کر
میرے گھر میں کچھ دنوں تو جم کے ویرانہ رہے

قبر میں جاوید کب سے ہیں لب گفتار بند
وہم کی جا ہو تو کیونکر ذکر جاناناں رہے

حشر کے دن بھی کہیں دل کے نہ ارماں نکلے
ہم بھی پہچان گئے آپ بھی پہچان گئے

ایک ہی سمت کو ہیں سب کی نگاہیں یہ کیا
وہ بھی پردے میں کہیں پر ہیں یہ پہچان گئے

یاں تو اک قبر کی چادر میں ہزاروں ہی پھول بچھے
جن میں تھی بوئے وفا ہم انھیں پہچان گئے

موت اور غش میں کوئی فرق بھی ہوتا ہے ضرور
دیکھ کر وہ مری صورت کو یہ پہچان گئے

پہلے فریاد پہ ہر اک کی ترس آتا تھا
اب قیامت ہے کہ آواز وہ پہچان گئے

دم نہ ہونے پہ قیامت میں چلا آیا ہوں
آپ بھی آج محبت کو مری مان گئے

دل پہ رکھتا نہیں تسکین کو بھی ہاتھ کوئی
درد میں جان بھی جاتی ہے یہ ہم جان گئے

دل پہ جاوید کی خوبی کے کڑے ہیں سکے
جتنے در اصل ہیں استاد وہ سب مان گئے

بساں گرد سراسیمہ ہو گئے ہوتے
تمہارے ڈھونڈھنے میں ہم تو کھو گئے ہوتے

گناہ گار خجالت سے رو گئے ہوتے
نہیں یہ دفتر اعمال دھو گئے ہوتے

وہ ہوتے اور بھی افشائے راز سے برہم
ہمارے اشک ہمیں کو ڈبو گئے ہوتے

ہماری ان کی اگر ہوتی ایک سی عادت
کلام لاکھوں اشاروں میں ہو گئے ہوتے

دلوں کے تم نے نہ ارمان نکالے خوب کیا
مکاں یہ مفت میں ویران ہو گئے ہوتے

ہمیں کہیں کا نہ رکھا یہ کیا کیا تم نے
نہ چلتے وقت گلے مل کے رو گئے ہوتے

ادائے گل پہ اگر آپ کو ہنسی آتی
ہزاروں چاک گریبان ہو گئے ہوتے

گماں غلط ہے کہ بھرپور وہ جوان ہوئے
قبائے جسم کے ٹکڑے نہ ہو گئے ہوتے

بس اتنی بات پہ عشاق ان کے چوک گئے
جو مر رہے تھے تو صدقے بھی ہو گئے ہوتے

اگر سمائیں رگوں میں تو وہ لہو بن کے
رہیں جو دل میں تو رہ جائیں آرزو بن کے

دل و جگر کا پتہ آج تک تو چلتا ہے
جو آنکھیں ہیں تو نکل جائیں گے لہو بن کے

کچھ آج حسن کو یوسف کے دیکھ کر یہ کھلا
کہ رہ گئی تری تصویر ہو بہو بن کے

رگیں بھی کھنچتی ہیں دم بھی مرا نکلتا ہے
ارے نہ بیٹھ سرِ بزم آج تو بن کے

اسی سبب سے کلیجہ بھی خون ہے جاوید
خدا نہ کردہ بگڑ جائے آبرو بن کے

ان کو تو سہل ہے وہ غیر کے گھر جائینگے
ہم جو اس در سے اٹھیں گے تو کدھر جائینگے

کیا کہیں کس سے کہیں ہجر کی ایذاؤں کو
اب اگر موت نہ آئیگی تو مر جائیں گے!

کس پتہ سے مجھے محشر میں وہ پہچانیں گے
اتنی مدت میں بھی کیا زخم نہ بھر جائینگے

کہتی ہے گورِ غریباں میں یہ رفتار انکی
آئیں گے قبر پہ میری تو ٹھہر جائینگے

روز ہم ہجر میں مرتے تھے غضب تو یہ ہے
اب یقیں انکو نہ آئے گا جو مر جائیں گے!

غیر کہتے ہیں ترس کھا کے مری حالت پہ
ان کو سینہ سے لگا لو نہیں مر جائیں گے!

داورِ حشر نے بھی تیری شکایت سن لی
اب کہاں تک یہ ترے تیرِ نظر جائیں گے!

اک فقط حشر کے دیدار پہ ہم مرتے ہیں
گر وہاں بھی نہ ملے تم تو کدھر جائینگے!

کبھی روئینگے ہنسیں گے کبھی ہم صورتِ زخم
چار دن زیست کے ہر طرح گذر جائینگے

کوئی جاوید نہ پھر نام وفا کا لے گا
تم سے دو چار جو دنیا سے گذر جائینگے

کہتے ہیں تجھ کو دید کی حسرت نہیں رہی
اب تیری آنکھ میں بھی مروت نہیں رہی

کیا جانیں بے خودی میں نکلتا زباں سے کیا
اچھا ہوا کلام کی طاقت نہیں رہی

یہ جھوٹ ہے کہ ہجر میں آتی نہیں ہنسی
یہ سچ ہے ہم کو ہنسنے کی عادت نہیں رہی

لاکھوں ہی ناز اٹھائے ہزاروں ہی زخم کھائے
اب دل میں غم اٹھانے کی طاقت نہیں رہی

کیا آئینہ نے دیکھ لیا منہ حضور کا
جو کل تلک تھی آج وہ صورت نہیں رہی

ٹانکے ہزار بار جو ٹوٹے ہیں زخم کے
بے اختیار ہنسنے کی عادت نہیں رہی

اب کیا نقاب رخ سے اٹھاؤ گے حشر میں
وہ تم نہیں رہے وہ مروت نہیں رہی

ان کو وفائے وعدہ اغیار ہے پسند
جاوید کیا کہوں کہ مروت نہیں رہی

قبر میں دیکھ رہا ہوں میں ادائیں انکی
کوئی لے لے مری جانب سے بلائیں انکی

ہنی باتوں میں بھی سنتا ہوں انہی کی آواز
میرے کانوں میں بھری ہیں جو صدائیں انکی

کب سوز غم سے ملتے ہیں پہلو بیان کے
دل کو جلائے دیتے ہیں کانٹے زبان کے

دھوکا ہوا تھا کچھ دل افتادہ پر ضرور
چوما تھا میں نے نقش قدم تیرا جان کے

یا وصل کا بیان ہے یا ذکر ہجر ہے
تم سننے والے کون مری داستان کے

افشاں جہاں گری ترے ماتھے سے چھوٹ کے
تارے وہیں پہ ٹوٹ پڑے آسمان کے

فصاد نے علاج کے پردے میں کی دغا
نشتر چبھو رہا تھا مرے جان جان کے

سو بار کہہ چکا کہ نکلتا ہے کھینچ کے دم
انگڑائی لی پھر آپ نے سینہ کو تان کے

دھوکا دیا تھا خوب دل داغدار نے
اس نے اٹھا لیا تھا اسے پھول جان کے

مدت کے بعد کہہ دئیے جاوید چند شعر
دل میں خیال آ جو گئے امتحان کے

سب دیکھتے ہیں چھپتے ہو عاشق کی نظر سے
کس کام کا پردہ کہ کوئی دیکھے کوئی ترسے

جو عشق کا انجام ہے معلوم ہوا آج
کیوں آئینہ نے رخ کیطرف شوق سے دیکھا
گردوں کے دامن جو وہ بڑھتا ہے پئے قتل
معلوم یہ ہوتا ہے کہ دل صاف ہے بالکل
تو دلمیں سمجھتا ہے نہیں رنج کہے کیا

پہلے ہی ملاقات ہوئی درد جگر سے
بل کھاتے ہیں گیسو بھی غصے کے اثر سے
تلوار لپٹ جاتی ہے ظالم کی کمر سے
مل جاتی ہے جسوقت نظر انکی نظر سے
یاں بات بھی کر سکتے نہیں ہیں ترے ڈر سے

جاوید یہ سچ ہے کہ عجب چیز ہے بچپن!
وہ مجھسے لپٹ جاتے ہیں خود میرے ہی ڈر سے

تلواریں ہوں کہ تیر ہوں بیسم لگائیے
بکھرا کے زلف کو نہ جنازے پہ آئیے
تربت میں ہو رہا ہے دوبارہ مجھے فشار
ہنگام ذبح یاس کی نظریں نہ ہو پائیں
قدرت جفا کا بھی ہو وفا کی طرح تمام
دل ہیں جگر ہیں جسم میں جلوہ ہے ایک ہی
بجلی گرے گی آج کسی بدنصیب پر

یہ کس نے کہدیا تھا کہ یوں مسکرائیے
اس تیرگی میں لاش نہ اٹھے گی جائیے
غیروں کو اس طرح نہ گلے سے لگائیے
یہ وقتِ امتحان ہے مرا دل بڑھائیے
اک دو قدم نہ ساتھ جنازے کے آئیے
پردہ ہٹا کے شوق سے صورت دکھائیے
ہم نے کلیجہ تھام لیا مسکرائیے

جاوید کس ادا سے وہ کہتے ہیں باربار
ہم بھی سنیں گے شعر ہمیں بھی سنائیے

اس کو بھی رہنے دوں عہدِ ناتوانی کیلئے
پڑ نہیں سکتی ہے اپنے حسن پر یوں تو نظر
بچپنے سے آنکھ میں سرمہ لگانا کیا ضرور
ایک قطرہ خون کا دلمیں جو باقی ہے تو کیا
تم نہ ہنستے تو نہ آتی مجھ سے ملنے کو اجل

دیکھ کر تصویر روؤں گا جوانی کیلئے
آئینہ اک لے رکھو سیرِ جوانی کے لئے
تیرگی رہنے دے یہ شامِ جوانی کیلئے
وہ بھی ہے صرفِ بلائے ناگہانی کیلئے
کچھ تو حیلہ بھی ہو مرگِ ناگہانی کے لئے

وصل میں کٹ جائیگی یا ہجر میں کٹ جائیگی
پھر خوشی بیجا ہے ایسی زندگانی کے لئے

ہم وہاں دل لیکے جاتے تھے بس اتنا یاد ہے
جب وہاں صدقے اترتے تھے جوانی کے لئے

حد رشک غیر چہرہ سے جو ثابت ہو گئی
ہم ہوئے تجویز در کی پاسبانی کے لئے

ہم تو اے جاوید کہتے تھے بلا تھی ٹل گئی
روئیں وہ قسمت پہ جو روئیں جوانی کیلئے

ملے گا کیا غریبوں کو ستا کے
چلو جانے دو بندے ہیں خدا کے

تڑپنے پر مرے اب ہنس رہے ہیں
نہ چین آیا انھیں بجلی گرا کے

انھیں کے ہاتھوں کی لے لوں بلائیں
جو خوش ہیں آپ کے گیسو بنا کے

تمہاری چال سے یہ دب گئی ہے
قیامت کیا کرے دنیا میں آکے

مجھے افسردگی یاد آئی دل کی !
میں رویا شمع محفل کو بجھا کے

عدم میں تھے تو وہ کچھ بھی نہیں تھے
قیامت بن گئے دنیا میں آ کے

چلو جاوید اب ہم تا در یار
چلے آنا مقدر آزما کے

سنا ہے کہ اک عمر کا راستہ ہے
رہے گا نہ دم تا مزار آتے آتے

تسلی وہ کچھ دیکے کہتے ہیں مجھ سے
کہ آئے گا دل کو قرار آتے آتے

غضب تھا جو بوسہ سر بزم لیتا
مجھے رہ گیا آج پیار آتے آتے

ابھی سے اسیرِ قفس مر رہے ہیں
رہے گا نہ کوئی بہار آتے آتے

کہانی کا سرا بھولا ہے ہمدم
میں کہتا ہوں کہیں سے وہ کہیں سے

مری قسمت میں کیا لکھا ہے یارب
پڑھا جاتا نہیں یہ خط کہیں سے

تیر کثرت پہ نہ اس بانیٔ شر سے نکلے
نہ تو دل سے مرے نکلے نہ جگر سے نکلے

دفعتہً موت کے آجانے میں تکلیف بھی ہے
خون رک رک کے نہ کیوں زخم جگر سے نکلے

باندھنے پائے نہ تعجیل میں وہ بندِ قبا
میرے مرنے کی خبر سن کے جو گھر سے نکلے

آبرو رکھ لے خدا بادیہ پیمائی میں
جب نکالا ہمیں وحشت نے تو بے گھر نکلے

تیر سے ان کے فقط زور میں نکلا نہیں خون
کئی ٹوٹے ہوئے نشتر بھی جگر سے نکلے

شام کو آئے تو اُف اُف کی صدا تھی لب پر
صبح کو نکلے تو دل تھام کے گھر سے نکلے

جھانک کے دیکھ لیں وہ بھی کوئی کہدے جاوید
جب جنازہ مرا اس راہ گذر سے نکلے!

سب حکم ضبط و صبر فراموش ہو گئے
صورت جو غش کی دیکھ لی بیہوش ہو گئے

تا دیر کی نہ بات جو تصویر نے کوئی
وہ مسکرا کے آپ ہی خاموش ہو گئے

خود منفعل ہے جلوۂ رخسارِ دوست بھی
کیوں اے کلیم پہلے سے بیہوش ہو گئے

لائق نہیں ہے ذکر کے قصۂ فراق کا
کچھ بات کی کبھی کبھی خاموش ہو گئے

زانوں پہ سر کو شوق سے رکھ لو تو خوب ہو
ہم پھر اسی طریق سے بیہوش ہو گئے

ہم اتنی دیر چھوٹ گئے دنیا کے رنج سے
یہ شکر کی جگہ ہے کہ بے ہوش ہو گئے

جاوید اور وہ ہیں جو پی لیتے ہیں شراب
ہم تو نگاہِ مست سے بے ہوش ہو گئے

بے درد کیوں یہ پوچھ رہے ہیں کہاں چلے
جائیگا دم نکل کے جہاں ہم وہاں چلے

دل کے بھی داغ دیکھتے جاتے ہیں راہ میں
حسرت نصیب یوں طرفِ بوستاں چلے

سب حال اڑ کے کہدیا چہرے کے رنگ نے
جب لیکے ہم شکایتِ دردِ نہاں چلے

نازک مزاجیوں کا گلوں کے لحاظ ہے
تھم تھم کے کیوں ہوا نہ سوئے بوستاں چلے

مے پی کے ہوش میں رہیں گر صاحبانِ ذوق
پہلے سے بڑھ کے پیرِ مغاں کی دوکاں چلے

دم بھر میں تم نے کہدیئے جاوید ایسے شعر
روکو زباں تو پھر نہ قلم کی زباں چلے

واں آرزو کسی نے نکالی شباب کی
یاں آ گئی قضا دلِ خانہ خراب کی

پیری میں کس طرح نہ ہوس ہو خضاب کی
آنکھوں سے دیکھ لیتے ہیں صورت شباب کی

دونوں کھلی ہوئی مری آنکھیں گواہ ہیں
برسوں سے شکل بھی نہیں دیکھی ہے خواب کی

کیا مل گیا طلسم تصور کو توڑ کے
تصویر کھنچ رہی تھی تمہارے شباب کی

بجلی تڑپ تڑپ گئی گردوں پہ بار بار
تصویر کھنچ سکی نہ تمہارے شباب کی

زخمِ دل و جگر بھی ہنسے تم بھی مسکرائے
اب آ گئی قضا دلِ خانہ خراب کی

کیا میرے دل کے ٹوٹنے سے باخبر ہو تم
کس نے صدا سنی ہے شکستِ حباب کی

گردوں پہ دیکھو برق تڑپتی ہے کس طرح
تصویر ہے مرے دلِ پُر اضطراب کی

پروردگار کام ملے رحمت سے حشر میں
مجھ کو نہیں ہے تاب سوال و جواب کی

فریاد رزق پا کے بھی کرتی ہے آسیہ
دے دے کے سب نے اور بھی عادت خراب کی

تھی چال حشر میں بھی قیامت حضور کی
کچھ پوچھئے تو جھینپ گئی آنکھ حور کی

سچ ہے کہ رازِ وصل چھپانا نہیں سہل
میں کیا کہوں جو کہتی ہے چتون حضور کی

جانے سے دل کے کیوں نہ ہو ویران بزمِ عیش
شب بھر اسی سے رہتی تھیں باتیں حضور کی

غش آج آ گیا ہے خدا جانے کل ہو کیا
موسیٰ اب اور سیر کرو کوہِ طور کی

جنت میں پوچھتے ہوئے جاوید ہم چلے
دوکان کس طرف ہے شراب طہور کی

اُن کی کب زلف گرہ گیر بنی ؟
میری بگڑی ہوئی تقدیر بنی

ہو گیا اس کا کلیجہ بھی فگار ؟
جب قلم سے مری تصویر بنی

جو پڑی رہتی تھی اس کوچہ میں
کیا اسی خاک سے اکسیر بنی

شکل تیری مرے دل میں اُتری
تری صورت سے یہ تصویر بنی

کھینچ کے ابرو نے کیا دل زخمی
یہ کماں حق میں مرے تیر بنی

ٹانکے زخموں کے مرے ٹوٹ گئے
چارہ سازوں سے یہ تدبیر بنی

ہم اسیرِ غمِ اُلفت ہی رہے
آپ کی زُلف بھی زنجیر بنی

پھر یہاں شوقِ اسیری ہوگا
وہاں منّت کی جو زنجیر بنی

موت بھی ہجر میں آئی جاوید
وصل کی کوئی نہ تدبیر بنی

جلوۂ حُسن دل افروز صنم کیا قہر تھا
وہ نظر سے چھپ گیا دل میں محبت رہ گئی

اس کی میت کا بھی رُخ ہی شمع محفل کی طرف
پھر سے جل جانے کی پروانے کو حسرت رہ گئی

اب نہ وہ ہم ہیں نہ وہ دل ہے نہ وہ رنگ مزاج
ہاں کبھی کچھ تڑپ لینے کی عادت رہ گئی

میرے مرنے کی اُمید ان کو مجھے ارمان وصل
ان کو بھی حسرت رہی مجھ کو بھی حسرت رہ گئی

جلوہ گاہ حُسن کی آبادیاں مفقود ہیں!
دل میں جاوید ان حسینوں کی محبت رہ گئی

مجھ کو غمِ فراق میں کس طرح کل پڑے
روکا ذرا جو دل کو تو آنسو نکل پڑے

چھپ جائے برق دامنِ ابرِ بہار میں
سینے سے دل تڑپ کے جو باہر نکل پڑے

دل کی دھڑکنے کہہ دیا ہے کا میرا حال
بیساختہ جو آنکھ سے آنسو نکل پڑے

جاوید پہلے کچھ بھی نہ سوچا یہ کیا ہوا
اب آج سوچتے ہیں کہ کس طرح کل پڑے

داغ دیتی ہے جوانی آپ کی!
پاس ہے سب کے نشانی آپ کی

بچپنا تھا آپ کا ہر دل عزیز
دیکھنے آئی جوانی آپ کی

سُننے والا جب کوئی ملتا نہیں
دل سے کہتے ہیں کہانی آپ کی

دید کی اُمید بھی جاتی رہی
جب سے سُن لی لن ترانی آپ کی

دل اور بھی تڑپا جو گلے سے وہ ملا آج
اِک درد نتیجہ ہوا جس کا وہ دوا دی

دامن کوئی یاد آگیا اشکوں کو جو دیکھا
پانی نے بھی اِک آگ کلیجے میں لگا دی

تاروں کا وہ چھپنا وہ ترا پاس سے جانا
تقدیر نے تصویر قیامت کی دکھا دی

تصویر اجل کھینچ خودی آج کے غش نے
گھبرا کے ستمگر نے بھی دامن کی ہوا دی

کیا سلسلہ جنبانِ محبت ہے کوئی اور
کس نے مرے دروازے کی زنجیر ہلا دی

اب خون کا کیا ذکر دھواں نکلے گا برسوں
کیوں زخم پہ بجلی مرے ہنسنے نے گرا دی

جو چور محبت میں ہوا دل تھا وہی دل
کم ظرف تھا شیشہ کہ جو ٹوٹا تو صدا دی

جاوید جو اچھے ہیں بُرا وہ نہ کہیں گے
اِک ہم نے غزل آج کہی تھی وہ سنا دی

کوئی سُنتا ہے کوئی روتا ہے
یہ بھی ہوتا ہے وہ بھی ہوتا ہے

درد سے موت کا مزہ چکھنا
جب یہ ہوتا ہے یونہی ہوتا ہے

بہہ گیا دل بھی خون ہو ہو کر
کون کس کا جہاں میں ہوتا ہے

تم ذرا قبر پر چلے آؤ
دیکھو دم بھر میں حشر ہوتا ہے

ان کو جاوید آ رہی ہے ہنسی
میں تو چُپکا ہوں کون روتا ہے

تم نے نہ مرے حال پریشاں پہ نظر کی
ماتم مرا کرتی تھی اداسی مرے گھر کی

اب یاد نہیں ہجر کا بھی کوئی فسانہ
سب بھول گیا جب ترے چہرے پہ نظر کی

ہیں ایک ہی جانب کو زمانہ کی نگاہیں
شاید کسی چہرے سے نقاب آج بھی سرکی

تڑپا دیا بجلی نے تڑپ کر سر گردوں
پھر کھینچ گئی تصویر نگہ میں ترے در کی

اس وقت کی اک یاس تھی دید کے قابل
جس وقت دعا آپ نے مانگی تھی اثر کی

کہتا ہوں خدا خیر کرے آئی قیامت
گرتی ہے فقط دل پہ جو بجلی ہے نظر کی

پہلے جو تھا طور ان کا اب نہیں وہ طور ہے
وہ زمانہ اور تھا اور یہ زمانہ اور ہے

وہ بھلا اس طرح سے چپ ہو گئے ہے امر محال
دیکھ کر تصویر کہتا ہوں یہ کوئی اور ہے

اے زلیخا دیکھ آئینہ نظر آئے گا فرق
وہ جوانی اور تھی اور یہ جوانی اور ہے

آنکھ میری بند کر دے جلد اے خواب اجل
دیکھنے کے قابل اک خواب پریشاں اور ہے

ہے وقتِ ذبح میسر وصالِ دلبر بھی
بڑے مزے سے گلے مل رہا ہے خنجر بھی

ضرور ہوتا ہے نادم جو دل دکھاتا ہے
رگوں میں منہ کو چھپائے ہوئے ہے نشتر بھی

ہماری عمر کا پیمانہ بھر گیا شاید!
میاں میکدہ خالی نہیں ہیں ساغر بھی

کروں گا ہجر کا شکوہ میں اتنی دیر میں کیا
مری نظر میں ہے کم طول روزِ محشر بھی

ہنسوں گا موت کے بے سمجھے بوجھے آنے پر
گلے پہ رکھ کے ہٹا لیجئے گا خنجر بھی

جہاں پہ ہاتھ کو ان کے نہیں قرار اب تک
یہیں پہ تھا کبھی سینہ میں قلب مضطر بھی

نہ وہ سوا ہیں کچھ ان سے نہ یہ کم ان سے ہیں
جگر کے داغ بھی ہیں بن گئے ہیں اختر بھی

تباہ جو کرے مجھ کو نہ کیوں تباہ رہے
مری طرح سے ہے گردش میں اب مقدر بھی

اسی امید پہ کم بخت جان دی میں نے
لگا گئی آ کے نہ تربت پہ ایک ٹھوکر بھی

نہ جانیں خون مرا ہو گا کس کی گردن پر
ادا بھی ذبح مجھے کر رہی ہے خنجر بھی

زمیں پہ ایک تمھیں تم دکھائی دیتے ہو
فلک پہ ماہ بھی ہے مہر بھی ہے اختر بھی

نہ زندگی میں ٹھکانا نہ بعد مرنے کے
عجب مقام ہے دنیا میں کوئے دلبر بھی

بدن میں خون نہ تھا مثلِ پیکر تصویر
رگوں کو چھیڑ کے پچھتا رہا ہے نشتر بھی

انھیں کی طرح بگڑنا اسے بھی آتا ہے
اداؤں میں ان سے نہیں کم مرا مقدر بھی

جنوں میں موئے بدن پر عجب ہے کیوں جاوید!
رگوں میں ٹوٹ گئے کچھ رہ گئے ہیں نشتر بھی

ہیں بند شرم سے آنکھیں وہ محو خواب ہیں ہے
حیا کے پردے میں تصویر بھی حجاب میں ہے

سنبھل سنبھل کے سر قبر پاؤں کو رکھئے
سمجھ تو لیجئے جاگا تھا جو وہ خواب میں ہے

تم آئے نزع کی الجھن کو دیکھنے آخر
مزاجیات کا جو کچھ ہے اضطراب میں ہے

بلائیں لینے کو نزدیک چاند آپہنچا
زمانہ ختم ہے پچھلے کا اور وہ خواب میں ہے

نہیں ہے وادیٔ محشر میں حسرتوں کی جگہ
یہ قافلہ دل خانماں خراب میں ہے

صفائے قلب سے حد کشش نمایاں ہے
اگر ہے عکس مہہ تو کہیں تو آب میں ہے

کسی نے ذکر کیا بھی تو مدتوں رویا
یہ کونسی ہے جو تاثیر اس شباب میں ہے

اسی سے آئی قیامت بھی چال دیکھنے کو
کہ بچپنے سے زیادہ ادا شباب میں ہے

سفیدی سحر غم پہ کیا تعجب ہے
کہ رنگ بھی مرے چہرہ کا اضطراب میں ہے

میں لے لوں بوسہ رخسار بے محل کیونکر
وہ جاگتے ہیں تو تقدیر میری خواب میں ہے

دھواں نکلتے ہوئے اپنی آنکھ سے دیکھا
ہماری روح اسی ساغر شراب میں ہے

ہمیں ہیں یاس کی تصویر کھینچنے والے
ہم ایک جاگتے ہیں اور زمانہ خواب میں ہے

ابھی ہے حضرت جاوید کچھ جوانی بھی
ذرا سی مے کا اثر ساغر شراب میں ہے

کب نزع میں شکل اسکی تصور نے دکھادی
دل نے مجھے دھوکا دیا آنکھوں نے دغا دی

دل سے انھیں مر جانے پہ بھی میں نے دعا دی
جس قبر کو دیکھا مجھے گھبرا کے صدا دی

سچ کہتا ہوں تا حشر میں بیمار رہونگا
خود ہاتھ سے اپنے مجھے کیوں اس نے دوا دی

کیوں قبر کو ٹھکرا دیا کیوں چھیڑ نکالی
کیوں آپ نے سوئی ہوئی تقدیر جگا دی

کل خود ہی عیادت کیلئے آئے تھے چھپ کے
اب آج یہ کہتے ہیں اسے کس نے شفا دی

یوں لگ گیا دھبہ بھی سفیدی پہ کفن کی
یاد آگئی مرتے ہوئے پوشاک حنا دی!

تھم ذرا عرصۂ محشر سے گذرنے والے
جی گئے ہیں کسی امید پہ مرنے والے

وہ سمجھتے ہیں جفاؤں کا تحمل نہ ہوا
اعتبار اپنا گھٹا دیتے ہیں مرنے والے

نہ کوئی لاش اٹھائیگا نہ روئے گا کوئی
مر کے کچھ اور بھی پچھتائینگے مرنے والے

دیکھ لی نیچی نگاہوں سے جو تربت میری
رو دیئے گورِ غریباں سے گذرنے والے

شعر دو چار نہ کس طرح سے کہتے جاوید
ہم تو مشہور تھے احباب سے ڈرنے والے

دل نزاکت میں جو شیشوں سے زیادہ تھے کہیں
سخت مشکل تو یہی ہے کہ وہ پتھر نکلے

کس پریشاں نے پریشان بنا رکھا ہے
کس کے ماتم میں مری جان کھلے سر نکلے

نہ وہ ہم ہیں نہ وہ دل ہے نہ وہ دنیا وہ لوگ
حشر کے روز عبث قبر سے باہر نکلے

اٹھ بیٹھے اپنی قبر سے دارفتگانِ عشق
وہ کیا خفا ہوئے کہ اجل بھی خفا ہوئی

تصویر میری دیکھ کے حیرت انہیں بھی ہے
فرماتے ہیں کہ عادتِ فریاد کیا ہوئی

بندِ نقاب کھول رہے ہیں وہ حشر میں
شاید قبول آج کسی کی دعا ہوئی

کس کو نصیب لذتِ تیرِ نگاہِ یار
زخمی جو دل ہوا تو میں سمجھا دوا ہوئی

کی عداوت یا محبت آپ نے
دیکھ لی کیوں میری صورت آپ نے

مر کے میں خاموش ہوں کون اب کہے
کی بہت تکلیف و زحمت آپ نے

رونے والوں کو ہنسا دیتے ہیں آپ
کس سے سیکھی ہے یہ عادت آپ نے

دیکھے ہم عاشق مزاجوں کو جگہ
کر لیا کوچہ کو جنت آپ نے

حشر کے دن کا نہیں کوئی خطر
کی ہے برپا کیوں قیامت آپ نے

اس کو دنیا کے مزے سب مل گئے
جس سے کچھ دن کی محبت آپ نے

کل اگر پہچانئے تو مان لوں
دیکھ لی ہے آج صورت آپ نے

حضرت جاوید وہ دن کیا ہوئے
پائی تھی اچھی طبیعت آپ نے

بے زبانی سے نہ کوئی حال اپنا کہہ سکی — میری حیرت آئینہ ان کو دکھا کر رہ گئی
میری افسردہ دلی کا آ گیا اس کو خیال — شمع تربت رات کو کچھ جھلملا کر رہ گئی
ان کی آوازِ قدم میں نے سُنی تھی قبر میں — کیوں قیامت دو قدم پر آج آ کر رہ گئی
رنگ بھرتے بھرتے کھینچا ہاتھ کیوں تصویر سے — جان میرے قالب بے جاں میں آ کر رہ گئی

اب نہیں معلوم زخمی کون محفل میں ہوا
تیر کی آواز کچھ کانوں میں آ کر رہ گئی

جو دل میں ہے بات وہ کہاں ہے — بجلی میں تڑپ ذرا سی ہاں ہے!
مانا کہ دکھائیں گے وہ صورت — ہم دیکھ لیں تاب یہ کہاں ہے!
بجبین ہے اُٹھائیے نہ میت — زور آپ کے ہاتھ میں کہاں ہے
جاوید ہے لکھنؤ غنیمت — اچھے کا ہر ایک قدرداں ہے

کب سوزِ غم سے ملتے ہیں پہلو بیان کے — دل کو جلائے دیتے ہیں کانٹے زبان کے
دھوکا ہوا تھا کچھ دلِ افتادہ پر ضرور — چوما تھا میں نے نقشِ قدم تیرا جان کے
یا وصل کا بیان ہے یا ذکرِ ہجر ہے — تم سُننے والے کون میری داستان کے
افشاں جہاں گری ترے ماتھے سے چھوٹ کے — تارے وہیں پہ ٹوٹ پڑے آسمان کے
فصاد نے علاج کے پردے میں کی دغا — نشتر چبھو رہا ہے مرے جان جان کے
سو بار کہہ چکا کہ نکلتا ہے کھینچ کے دم — انگڑائی لی پھر آپ نے سینہ کو تان کے

دھوکا دیا تھا خوب دلِ داغدار نے
اس نے اٹھا لیا تھا اسے پھول جان کے

دم بھی باقی نہ رہا جان کو کھوتے کھوتے — مر گئے ہجر کے افسانوں کو روتے روتے

شمع پر ختم تھا سوزِ غمِ پروانہ بھی
صبح کر دی ہے یوں ہی شام سے روتے روتے

خونِ عاشق ہے نہ دامن سے چھپے گا تو نہ
رنگ مہندی کا ہے اڑ جائیگا دھوتے دھوتے

جوہروں پر مجھے اشکوں کا گماں ہونے لگا
آئینہ دیکھ لیا کرتے تھے روتے روتے

دل دھڑکنے کی صدا دور تلک جانے لگی
گر کبھی چونک پڑا رات کو روتے روتے

پیاری باہیں وہ کسی کی ہیں مری گردن میں
صبح کر دوں گا خدا چاہے تو سوتے سوتے

نزع کے وقت فقط کیا ہیں ہنسوں گا ظالم
کیا یوں ہی عمر کٹے گی مری روتے روتے

گرہ رشتۂ انفاس بنے ہیں آنسو
دم مرے سینہ میں رک جاتا ہے روتے روتے

دل بھی کہتا تھا نگاہیں بھی کہ وہ آتے ہیں
رہ گئی آج ملاقات بھی ہوتے ہوتے

اب جو اٹھا ہوں تو آنکھیں بھی نہیں کھلتیں
کیا تمہیں دیکھ لیا خواب میں سوتے سوتے

عمر بھر آپ نہ آئے نہ اجل نے پوچھا
شرم آنکھوں سے بھی آنے لگی روتے روتے

پوچھتے کیا ہو مسرت کا سبب کچھ بھی نہیں
زخم کی طرح سے ہنسنے لگا روتے روتے

مر کے کس قسم کی غفلت یہ ہوئی تھی جاوید
آ گئی صبح قیامت ہمیں سوتے سوتے

جو کھینچ کے تا بنِ مو خونِ آرزو آئے
مرے سینہ سے تازہ لہو کی بو آئے

سمٹ کے سارے بدن کا یہیں لہو آئے
جو ان کی تیغ قریبِ رگِ گلو آئے

لحد پہ چادرِ گل لیکے کیوں وہ آتے ہیں
کہیں نہ ہاتھ سے ان کے وفا کی بو آئے

جبینِ گل پہ عرق آ گیا خجالت سے
وہ مسکرا کے جو کلیوں کے روبرو آئے

زمانہ وصل کا نزدیک ہو تو شوق بڑھے
کماں سے تیر ملے جوش میں لہو آئے

کہیں نہ پہلے ہی دن حدِ شوق کہہ دینا
کلیم ہوش میں رہنا جو گفتگو آئے

ستارے پانی میں ڈوبے تو چاند شرمایا
ارے یہ رات تھی تم کیوں کنارِ جو آئے

ہنسی میں ٹوٹ گئے زخمِ دل کے یاں ٹانکے
وہاں تھا کھیل کہ وہ پھر پئے رفو آئے

گرے گی برقِ تبسم ٹوٹ جائیگا دل — اب آئینہ کی قضا ہے جو روبرو آئے
پتہ یہ کوئے صنم کا ہے سن لے اے قاصد — وہاں سے حد ہے جہاں سے لہو کی بو آئے
کلیم سامنے ہونے پہ کیوں کرو تکرار — یہی ہے خوب کہ پردے میں گفتگو آئے

یہ کہہ ریاض سے جاوید ہو جو دلمیں کشش
کہاں وہ جائیں گے جو دوست لکھنؤ آئے

خوب بچتے ہیں بہر طور ستمکاری سے — میں جو روتا ہوں تو ہنستے نہیں ہشیاری سے
عشق میں سنتا ہوں کہ دامن کی ہوا دیتے ہیں لوگ — میری غفلت بھی تو جاتی نہیں ہشیاری سے
آ تو جاتا ہے قرار ایک نہ اک پہلو سے — موت بہتر ہے کہیں ہجر کی بیماری سے
یہ سنا ہے کہ نظر حسن پہ ہو جاتی ہے — آئینہ بھی وہ نہیں دیکھتے ہشیاری سے
داغ نے بڑھ کے جلایا دل سوزاں کو مرے — آگ گھر بھر میں لگی ایک ہی چنگاری سے
مرتے دم آئے جو وہ پاس تو میں نے یہ کہا — سب ملے سہل سے اک تم ملے دشواری سے
سو کے اٹھا ہوں مگر خواب میں دیکھا ہے انھیں — آنکھ بھی آج کھلے گی مری دشواری سے
موت آجائے تو سمجھوں کہ ملی مجھ کو نجات — دل پریشان ہوا روز کی بیماری سے
کیوں نہ اف اف کی صدا ہو مرے سینہ سے بلند — کم نہیں داغ جگر آگ کی چنگاری سے

ذبح کرتے ہیں وہ جاوید تجھے خوش ہو کر
واہ کیا خوب وہ باز آئے ستمگاری سے

دکھلا کے حد صبر جو عشاق مر گئے — کہتی ہے خود وفا کہ بڑا نام کر گئے
ہم پر عجب فراق میں صدمے گذر گئے — جی جائیں جھوٹ بھی جو یہ سن لیں کہ مر گئے
ہنسنے پہ منفعل ہیں یہ حد بچپنے کی ہے — بجلی گرا کے میرے تڑپنے سے ڈر گئے
ہم آئینہ لئے ہوئے بیٹھے ہیں صبح تک — وہ نیند اڑا کے شام سے آرام کر گئے
اعجاز عشق ہے نگہ لطف و قہر میں — سو بار دم میں جی گئے سو بار مر گئے

مشق ستم بھی ہو چکی اب کیا وہ باز آئیں
جن میں خیال رحم تھا وہ دن گذر گئے

اب کیا کشاکش غم پنہا کو روؤں میں
جاوید ان کے تیر جگر و دل میں رہ گئے

جو دل پہ گذرتی ہے شب ہجر گذر جائے
اس طرح سے تڑپے کہ سحر ہوتے ہی مر جائے

ہاں گور غریباں میں وہی میری لحد ہے
بے قصد جہاں پر وہ ستمگار ٹھہر جائے

امید پہ چلتا ہے زمانہ کا ہر اک کام
جس کو نہ ملو حشر میں بھی تم وہ کدھر جائے

ہے مصلحت وقت جو غصہ نہیں آتا
ہنستے ہیں کہ جس میں مرے رونے کا اثر جائے

ایسا بھی زمانہ میں تعلق نہیں دیکھا
جس سمت کو تم جاؤ ادھر سب کی نظر جائے

گھبرا کے نہ تم ہاتھ کو سینہ سے ہٹاؤ
عادت ہے مرے دل کی ہے تڑپ لے تو ٹھہر جائے

جاوید نظیر اس کا زمانے میں نہیں تھا
کیا دل سے مرے میر کے شعروں کا اثر جائے

وصل کی شب بھی کبھی دہر میں آئی ہوتی
صلح ہے جب یہ تصدق وہ لڑائی ہوتی

ہم تو کہتے نہ کبھی فتنۂ محشر ان کو
اُن کے چلنے سے قیامت جو نہ آئی ہوتی

سن چکے ہوتے مرے مرنے کی خبر پہلے سے
پاؤں میں آج تو مہندی نہ لگائی ہوتی

میں جدھر ہوتا ادھر دل بھی نہ میرا ہوتا
تم جدھر ہوتے اُدھر ساری خدائی ہوتی

کہتے تھے ہجر کی شب درد و الم کے مارے
اور جی جاتے جو یہ رات نہ آئی ہوتی

خوش نہ جاوید ہوئے ہم یہ بہت خوب ہوا
جان جاتی جو گلے مل کے جدائی ہوتی

لے چلو کر کام لینا ہے نگہ کے تیر سے
دل تو سینے میں ٹھہر جائے کسی تدبیر سے

غیر نے مطلب نکالا شوخی تقریر سے
ہم یونہی خاموش بیٹھے رہ گئے تصویر سے

رحم کہتا ہے کہ محشر میں اٹھائیں گے نقاب
کچھ ہوئی امید ہم کو آج کی تقریر سے

دے گیا ہے شام کو حکم شمار داغ دل — نیند اڑائی بھی جو ظالم نے تو کس تدبیر سے

ہجر کی شب جان آنکھیں کیے لیتا ہوں بند — چاہتا ہوں نیند آ جائے کسی تدبیر سے

آنکھ نیچی کر کے مجھ سے پوچھتے ہیں دل کا حال — خون کی بوندیں ٹپکتی ہیں جواں کے تیر سے

قید غم میں بعد میرے ہو گیا عالم اسیر! — جتنے وحشی تھے لپٹ کر دے دیئے زنجیر سے

سچ ہے یوں صورت دکھانے سے چھپنا خوب تھا — لگ گئی اک آگ برق حسن کی تاثیر سے

کہہ رہا ہے رعب حسن دوست سونے دو ابھی — شوق کہتا ہے جگاؤ بھی کسی تدبیر سے

کسی پر خفا وہ ہوں ڈر جائے کوئی — کسی کی اجل آئے مر جائے کوئی

مجھے اپنے جینے کی امید کچھ ہو — اگر دل کا ناسور بھر جائے کوئی

نئی ضد ہے ان کی نیا ان کا غصہ — اجل بھی نہ آئے تو مر جائے کوئی

مرا دم بھی آنکھوں میں اٹکا ہوا ہے — ذرا اور دم بھر ٹھہر جائے کوئی

وہ آئینہ دیکھیں وہ زلفیں بنائیں — انھیں کیا جئے یا کہ مر جائے کوئی

لحد کو وہ دیکھیں گے نیچی نگہ سے! — یہی سوچ کر کاش مر جائے کوئی

اگر غیر جاوید زلفیں بنائے
بگڑ جائے کوئی سنور جائے کوئی

دل نزاکت میں جو شیشوں سے زیادہ تھے کہیں — سخت مشکل تو یہی ہے کہ وہ پتھر نکلے

کس پریشان نے پریشان بنا رکھا ہے — کس کے ماتم میں مری جان کھلے سر نکلے

روکنے والے ہیں اس کے بھی ہزاروں مر جائیں — تیرا ارمان مرے قلب سے کیونکر نکلے

بعد مرنے کے میں غیرت سے گڑا جاتا ہوں — گھر سے وہ کیوں مرے ماتم میں کھلے سر نکلے

پہلے جاوید جو اصلاح لیا کرتے تھے
چار دن میں وہی لوگ آپ سے بہتر نکلے

تصور سے دل ناشاد اپنا شاد کرتا ہے — جسے تم بھول جاتے ہو وہ تم کو یاد کرتا ہے

زمانہ اپنی آزادی کا شاید یاد کرتا ہے
گرفتارِ قفس کس درد سے فریاد کرتا ہے

بھر آتے ہیں آنسو فرطِ غم سے سب کی آنکھوں میں
ترے کوچہ میں اے ظالم کوئی فریاد کرتا ہے

نہیں تازہ گرفتار آشنا صیاد کی خو سے
کبھی خاموش رہتا ہے کبھی فریاد کرتا ہے

کلیجہ کھلتی کلیوں کا بھی شق ہوتا ہے گلشن میں
یہ کون اس درد سے اے باغباں فریاد کرتا ہے

نجانے کیا اندھیرا بڑھ کے کہہ دیتا ہے ظالم سے
کہ جب زنداں میں آ جاتا ہے مجھ کو یاد کرتا ہے

بھر آتا ہے دل صیاد کا فرطِ محبت سے
قفس خالی جو دیکھا ہے تو مجھ کو یاد کرتا ہے

ہماری عمر ساری کٹ گئی اتنے سہارے پہ
یہی سنتے چلے آئے کہ اب آزاد کرتا ہے

صدا دل کے بھڑکنے کی ہے غنچہ کے چٹکنے میں
یہ کیوں برہم مزاجِ نازکِ صیاد کرتا ہے

ایک تو میرا بیاں اور دوسرے حالِ فراق
لوگ کہتے ہیں کہ کتنی پُر اثر تقریر ہے

آپ بھی اپنی سمجھ میں کوئی بات آتی نہیں
تیرے دیوانے کی کیا الجھی ہوئی تقریر ہے

کس حسیں کے ہاتھ کا لکھا ہوا آیا ہے خط
بند ہے نامہ پہ ظاہر شوخیٔ تحریر ہے

روز کہتے ہیں جنازہ ہم اٹھائیں گے ترا
مر کے بھی میں دیکھ لوں آگے مری تقدیر ہے

لیجئے محشر میں بھی اب داد ان کو مل چکی
بے گناہی صاحبانِ عشق کی تقصیر ہے

اس پہ اندازِ تبسم نامہ بر کا ہے گواہ
کچھ ہے پیغامِ زبانی خط میں کچھ تحریر ہے

تیرے ایسے شعر ہوں جاوید تو زیبا ہے ناز
دیکھ لیں حاسد مزا ہے درد ہے تاثیر ہے

انہیں سے آج بگڑ جاتی ہر ادا اُن کی
جو آئینہ کا نہ منہ دیکھتی حیا اُن کی

کیا تھا طور پہ موسیٰ کو کس لئے بے ہوش
فقط تھی دید کی حسرت خطا تھی کیا اُن کی

وہ کوستے ہیں مجھے بعدِ وعدۂ وصلت
یہ خوف ہے کہ نہ سن لے کہیں خدا اُن کی

قفس کو دیکھ کے خالی نہ روئے کیوں صیاد
چھری پھرائی تھی جن پر نہ تھی خطا انکی

نجانے کیا تھا کہ کہنا پڑا یہ آخر کار
نہ جن کی تم سنو کیونکر سنے خدا انکی

جہاں نظر کا نہیں کام وہ نگاہ میں ہے
وہ منہ پھرائیں تو ہم دیکھ لیں ادا انکی

حسیں نہ آئیں گے ہر عیادت بیمار
کسی کا درد نہیں جن کو کیا دوا انکی

کسی کو سن کے تسلی ہوئی کوئی تڑپا
کہیں دوا ہے کہیں درد ہے صدا انکی

یہاں بھی منہ کو چھپائے رہے وہ اے جاوید
میاں حشر شکایت بھی ہے بجا ان کی

اب تو ڈرتے ہیں عیادت کو بھی وہ آئے ہوئے
جب سے دیکھا ہے کسی کا دم نکل جاتے ہوئے

ہے گمانِ مرگ اٹھے ہیں جو گھبراتے ہوئے
آنکھ سے دیکھا نہ تھا کیا غش کبھی آتے ہوئے

زیست کا ایسی کی کس کو ہو جہاں میں اعتبار
سیکڑوں کو جس نے دیکھا ہے مرجاتے ہوئے

کوئی لے لیتا جو بوسہ اُن کو آجاتا جو غیض
دیر ہوتی پھر قیامت کو نہ یوں آتے ہوئے

کس نے بے سمجھے ہوئے تعریف کر دی چاند کی
لیجئے آئے نقابِ رخ وہ سرکاتے ہوئے

پہلے محشر بعد تربت آخر ان کا سامنا
ہم کہاں تک دل کو لے آئے ہیں سہلاتے ہوئے

زندگانی کا انھیں سے پوچھ لے کوئی مزا
جس نے دیکھا اُن کو تنہائی میں شرماتے ہوئے

اُن کی ایسی ہو جوانی تو نہیں رہتے ہیں ہوش
خود نقابِ رُخ کو دیکھا ہے سرک جاتے ہوئے

لیجئے اب ہے خودکشی بھی ہماری ناگوار
آئے لاشہ پہ تو کچھ غصہ میں فرماتے ہوئے

جانکنی کا وقت ہے کروٹ بدلنے دیجئے
آپ کی حسرت نہیں دم ہے نکلنے دیجئے

مہربانی آپ کی پہلو لئے ہے ظلم کا
دردِ دل کا حال کہتا ہوں سنبھلنے دیجئے

چال سے اپنی بتا دیجئے دلِ مضطر کا حال
میری آنکھوں سے ذرا آنسو نکلنے دیجئے

آپ بیٹھے ہیں ادب سے میں تڑپ سکتا نہیں
منہ ادھر سے پھیر لیجئے دم نکلنے دیجئے

چُن کے افشاں شب کو وہ کچھ اور پیارے ہو گئے
جتنے ذرّے تھے مری آنکھوں کے تارے ہو گئے

نرگسی آنکھوں سے یہ کیسے اشارے ہو گئے
آپ پیارے یوں ہی تھے اب اور پیارے ہو گئے

زندگی اور موت دونوں کا چکھا نا تھا مزہ
بے سہارے مجھ سے رخصت کے اشارے ہو گئے

ایک دن بھی موت نے آکر نہ پوچھی جن کی بات
دل کے کینے میں وہی آفت کے مارے ہو گئے

شمع پروانوں سے رخصت ہوتی ہے وقتِ سحر
دیکھ اے جاوید تجھ سے کے اشارے ہو گئے

خوشی سے زہر کوئی کھا رہا ہے
کوئی بیٹھا ہوا سمجھا رہا ہے

ہے آخر میں یہ مرنے کی نشانی
مرا دل اور مجھے سمجھا رہا ہے

مجھے باتیں نہ کیونکر دل کی بھائیں
زباں ہے بند اور سمجھا رہا ہے

زباں ہیں بند ہیں جن جن کی جاوید
ترے کہنے کا واں چرچا رہا ہے

بارِ خاطر ہیں مگر دھر سے جانے والے
روئے دیتے ہیں جنازے کے اٹھانے والے

سر پٹکتی ہیں نگاہیں بھی مری پردے سے
کس طرف چھپ گئے آواز سنانے والے

قبر پر روز چلے آنے سے ملتا ہے پتہ
ہو تمھیں خاک میں عاشق کے ملانے والے

کیوں ترستا رہے ہر ایک گھڑی صورت سے
دیکھ آئینہ بھی اے زلف بنانے والے

ایک یوں ایک اتر آیا ہے نقشہ دل میں
خود ہیں حیراں تری تصویر بنانے والے

کروٹیں لیتے ہیں کچھ یوں کہ جگہ دیتا ہے
سونے والے ہیں وہی جو ہیں جگانے والے

یوں ہی انکار کروں گر تو گنہگار نہ ہوں
قسمیں کیوں دے رہے ہیں مے کے پلانے والے

تم دیئے جاؤ یوں ہی ہم کو ہوا دامن کی
ہم سے بے ہوش نہیں ہوش میں آنے والے

دیکھ جاوید دیا ساتھ بگولوں نے فقط
یہ بھی ہیں تیری طرح خاک اڑانے والے

ہاتھ سے دل روکے کھونا یاد ہے — اپنی کشتی کو ڈبونا یاد ہے!

منہ چھپا کر مجھ کو رونا یاد ہے — وہ خجل ہر اک سے ہونا یاد ہے

ہجر میں وہ جان کھونا یاد ہے — صبح ہونا شام ہونا یاد ہے

مرتے مرتے ہاتھ سینہ پر رہے — درد کا تھم تھم کے ہونا یاد ہے

کیوں جہاں میں آئے تھے سمجھے نہ تھے — ان کا ہنسنا اپنا رونا یاد ہے

جاگنا اپنا نہیں بھولا ہوں میں — اور سارے گھر کا سونا یاد ہے

مرتے دم دنیا نہایت تنگ تھی — قبر کا وہ ایک کونا یاد ہے

کون تھا بالیں پہ مست خواب ناز — شمع کا رخصت وہ ہونا یاد ہے

دل میں پانی نے لگا دی آگ آج — وہ حنائی ہاتھ دھونا یاد ہے

کب نہ تھا جاوید آہوں میں اثر
پھیر کر منہ ان کا رونا یاد ہے

پیاسی تھی یہ خود مرے لہو کی — تھی تیز چھری رگِ گلو کی

دل کھو کے نہ میں نے جستجو کی — سمجھا تھا کہ بوند تھی لہو کی

تم پاس جو آئے کھو گئے ہم — جب تم نہ ملے تو جستجو کی

سب زخم کے ٹانکے ساتھ ٹوٹے — حاجت نہ رہی کوئی رفو کی

خود کھو گئے ہم جہاں میں آخر — اس حد پہ کسی کی جستجو کی

دیکھا کہ زمیں سے آگ نکلی — جب بوند ٹپک پڑی لہو کی

روئی وہاں شمع یاں ہنسے پھول — وہ قبر مری تھی یہ عدد کی

وہ سامنے آئے غش ہوئے یہ — موسیٰ کی نظر کہاں پہ چوکی

تیروں پہ کسی کے بانٹ بھی دوں — کھائی تھی قسم اسی لہو کی

اس داغ کو میں نے دل میں رکھا — دشمن بنے نہ جس کی آرزو کی

جاوید وہ لاش کیوں اُٹھائیں
مرضی بھی تو پوچھ لیں عدو کی

کہا جو اُس نے کہ کہئے تو کچھ گلا کیا ہے
مری زبان سے نکلا کہ فائدہ کیا ہے

اُداس دیکھ کے محفل کو میری کہتے ہیں
یہاں بھی کوئی مصیبت کا مبتلا کیا ہے

بس آج تک تو بہت خوب ہجر میں گذری
اب آگے دیکھئے تقدیر میں لکھا کیا ہے

تمام ہو گئے ہم داستان ہو گئی ختم
اب اور قصۂ فرقت کی انتہا کیا ہے

گلے سے آکے ملے وہ تو اور دل تڑپا
بڑھے دوا سے تو پھر درد کی دوا کیا ہے

ہر ایک اشک کے قطرے میں خوں کی شرکت ہے
ہمارا زخمِ جگر بے محل ہنسا کیا ہے

جو دیکھتا ہوں کبھی آئینہ میں فرقت میں
تو خود بھی کہتا ہوں یہ آپ کو ہوا کیا ہے

ستم یہ داد کے خواہاں تمھیں سے ہیں جاوید
وہ جانیں کیا کہ جفا کیا ہے اور وفا کیا ہے

دل غم سے چاک چاک نہ تھا چشم تر نہ تھی
کیا تھا اُدھر جدھر کو تمہاری نظر نہ تھی

کیا وقت نزع شدّتِ دردِ جگر نہ تھی
سینہ پہ ہاتھ ہے تمھیں کیا یہ خبر نہ تھی

گر وہ نہیں تو میں تو بدلتا ہوں کروٹیں
فرقت کی شب میں آہ مری بے اثر نہ تھی

پر وہ وہ کیا ہوا وہ ضدیں اب کدھر گئیں
کیا حشر کی تمھیں مری جاں کچھ خبر نہ تھی

رستہ میں جابجا مرے نقشِ قدم بھی تھے
اس ضد سے انکی راہ میں نیچی نظر نہ تھی

جب آئی موت ہجر کی شب میں تو یہ کھُلا
یہ رات وہ تھی جس کی جہاں میں سحر نہ تھی

آئے ہیں لاش پر یہی کہنے کے واسطے
کب کوئی مر گیا ہمیں بالکل خبر نہ تھی

تصویر آپ ہی کی تھی پہچانتا ہوں میں
تھی ہر طرف مگر مری جانب نظر نہ تھی

دیکھا تو رزق پا کے بھی پھرتی تھی آسیا
پھر کیا تھا یہ نصیب کی گردش اگر نہ تھی

کانوں میں رہ کے اس کی بھی [illegible] گئی
جاوید اس سے پہلے تو قدر گہر نہ تھی

دونوں میں کسی کو نہیں کچھ دل کی خبر بھی
وہ بھی مرے پہلو سے اٹھا دردِ جگر بھی
بے قصد مرے گھر کیطرف اٹھنے لگے پاؤں
شاید مری آہوں میں ہے تھوڑا سا اثر بھی
فانوس کے پردے میں کہیں حسن چھپا ہے
رخ شمع کا محفل میں ادھر بھی ادھر بھی
کس کا تمھیں ماتم ہے کسے ڈھونڈھ رہے ہو
گیسو بھی پریشاں ہیں پریشاں ہے نظر بھی

کہتی ہے وہ نگاہ کہ ہم چھیڑ کر چلے
جو زخم بھر والے تھے اب وہ بھی بھر چلے
مرنے ہی کی امید پہ ہے اب تو زندگی
ملنے کا مجھسے حشر میں وعدہ وہ کر چلے
زنداں میں کیا رکھا ہے جو آؤ گے پھر اسیر
مدت کے جو اسیر تھے گھٹ گھٹ کے مر چلے
اس کی امید دل میں نہ رکھیں حضور بھی
ہم سخت جاں اجل کے بھی آنے سے مر چلے
دیکھی ہے خوب سیر نگاہِ عتاب کی
لوگ ایک بار ہم تو کئی بار مر چلے
مرنے کا بھی یقین ہے جینے کا بھی خیال
کچھ زخم گہرے ہو چلے کچھ زخم بھر چلے
اب اُن کے ابروؤں میں کجی وہ نہیں رہی
جاوید اُن کمانوں کے چلے اتر چلے

ہے رنگ حنا جن میں وہی ہاتھ دکھا دے
حسرت ہے کہ پھر دل میں کوئی آگ لگا دے
یکتائی کا دعویٰ تو بہت کچھ ہے مری جان
کیا ہو جو کوئی آئینہ محفل میں دکھا دے
سبزے کی طرح سو گئے وہ صحنِ چمن میں
بے سمجھے چٹک کر کوئی غنچہ نہ جگا دے
خط پڑھ کے نہ تھم دم مرا رک جائے ہی قاصد
جو جو مری تقدیر کا لکھا ہے سُنا دے
ہنس دیتے ہیں منہ پھیر کے وہ میرے سرہانے
جب لوگ یہ کہتے ہیں خدا اسکو شفا دے

بڑھا ہے سوز جگر اب مدد کو آئے کوئی
غضب کی آگ لگی ہے ذرا بجھائے کوئی

پڑی ہے دل کو مرے خود بھی عادت فریاد
یہ چھیڑتا ہے ہر اک کو کہ پھر ستائے کوئی

سنائے جاتے ہیں ہم قصۂ غم فرقت
خدا کرے کہ نہ محفل میں مسکرائے کوئی

تڑپ وہ ہجر کی تھی اب یہ موت کی تڑپ ہے
جو دیکھنا ہو تو اب آ کے دیکھ جائے کوئی

جنھیں یہ دیکھ کے تاب آتی ہے وہ اور ہیں لوگ
ہم اپنے منہ کو پھراتے ہیں مسکرائے کوئی

کسے یقین کہ عالم میں پھر بہار آئے
ہرے جو زخم جگر ہوں تو اعتبار آئے

فراق کی تھی تو راتوں کو مر کے کاٹا تھا
ہماری موت کا کیا ان کو اعتبار آئے

کلیم دید کی حسرت بڑھا دی لکنت نے
مزے کی بات نہ کیوں لب پہ بار بار آئے

چھری بھی پھیر دو حجت یہ آخری ہو تمام
تمھیں نے جان لی اس کا تو اعتبار آئے

امید و یاس کی تصویر دونوں آنکھیں ہوں
ادھر وہ آئیں ادھر وقت احتضار آئے

ہم اتنی دیر زمانے کے رنج سے چھٹ جائیں
برا ہے کیا جو ہمیں غش ہی بار بار آئے

یہ ہاتھ غیر کے سینہ پہ بھی رہا ہوگا
اٹھا لو ہاتھ مرے دل سے تو قرار آئے

یہ بے وفا ہے نظر اپنی پھیر لیگا ضرور
کسے شباب کی باتوں کا اعتبار آئے

جہاں کا رنگ طبیعت بدل گیا جاوید
شراب جوش میں آئی جو بادہ خوار آئے

جیتے جی میں نام نہ جاتا اگر اپنی سی کر جاتے
جنھیں جینا بھی مشکل تھا انھیں آسان مر جاتے

نہ آنکھوں میں کھٹکتے پھر نہ یوں چبھتے کلیجے میں
اگر تیر نگاہِ ناز سینہ سے گذر جاتے

نہ ہوتا تفرقہ ایسا لہو کا ساتھ کیوں چھٹتا
ادا غصہ کی بے دیکھے اگر پہلے سے مر جاتے

درِ جاناں پہ ہم نقشِ وفا خود بیٹھے ہیں
یہ مانا اٹھ کھڑے ہوتے مگر اٹھ کر کدھر جاتے

ہے یاد جوش یہ جب وقت اشکباری تھی
تو ایک نہر اسی آستیں سے جاری تھی

زمینِ باغ پہ گرتے ہیں ٹوٹ کر تارے
ستارہ وار قبا اس نے کیوں اتاری تھی

میں آنکھیں بند کیے تھا وہ دیکھتے ادھر
جسے وہ سمجھے تھے غفلت وہ ہوشیاری تھی

لہو کے اشک جو ٹپکے تو کھل گیا یہ راز
نگہ تھی دل میں کہ اتری ہوئی کٹاری تھی

خدا سے حشر میں اب اس کا فیصلہ ہوگا
وہ اور ہنستے تھے غفلت جو مجھ پہ طاری تھی

ملی ہے دیکھیے یہ صبحِ حشر سے جا کر
لحد کی رات نہ تھی شامِ غم ہماری تھی

نہیں ہیں ہم تو چمکتا ہے صبح کا تارا
یہ رات وہ تھی جو بیمارِ غم پہ بھاری تھی

جھوٹی تسلیوں پہ شبِ غم بسر ہوئی
اٹھی چمک جو زخم میں سمجھا سحر ہوئی

ہر ہر نفس چھری ہے لئے قطع شامِ ہجر!
یا آج دم نکل ہی گیا یا سحر ہوئی

بدلی جو کروٹیں تو زمانہ بدل گیا!!!
دُنیا تھی بے ثبات اِدھر کی اُدھر ہوئی

جاتی ہے روشنی مری آنکھوں کو چھوڑ کے
تارے چھپے وہ سو کے اُٹھے وہ سحر ہوئی

پہلے یہ جانتا تھا کہ زخمی نہیں ہے دل
جب دیدیا رگوں نے لہو جب خبر ہوئی

کس منہ سے روؤں میں دلِ حسرت نصیب کو
جب مر گیا غریب تو مجھ کو خبر ہوئی

جاوید بوئے گل کو ہوا آ کے لے گئی
کلیوں کو غم ہوا نہ لگوں کو خبر ہوئی

آگ جب زخمِ جگر بے انتہا دینے لگے
چارہ گر گھبرا کے اُف اُف کی صدا دینے لگے

اب کہاں تھا میں جو دیتا اس محبت کا جواب
جس کی تربت دیکھ لی مجھ کو صدا دینے لگے

دامنِ صبر و تحمل ہاتھ سے خود چھُٹ گیا
ٹوٹ کر زخموں کے ٹانکے جب صدا دینے لگے

ہجر کی راتوں کے سناٹے میں اُف ری بیخودی
ہم دلِ گم گشتہ کو اپنی صدا دینے لگے

ہاتھ بھی گھبرا گئے میں نے قلب نازک رکھے
جب ذرا سی چوٹ میں شیشے صدا دینے لگے

جانکنی کا وقت بھی باقی رہے تم بھی رہو
دیکھنے آئے تو کیا اچھی دغا دینے لگے

میکدے میں ہم سے مستوں کی خوشی کیا پوچھئے
مِل گئے دو چار ساغر اور دُعا دینے لگے

منحصر مرنے پہ ہو جب صورت تسکین دل
کو سنا ئیں اس کو سمجھوں جو دعا دینے لگے

ظالم و مظلوم کا محفل میں کل نکلا تھا ذکر
وہ ہمارا اور ہم ان کا پتہ دینے لگے

مرنے والے پھر نہ اے جاوید کھولیں اپنی آنکھ
گر قسم بڑھتی ہوئی ان کی حیا دینے لگے

نگاہوں میں مرے کچھ بھی نہیں ہے قدر جوہر کی
اُلجھ جاتی ہے کانٹوں سے زبانِ تیر نشتر کی

مرا شفاف سینہ دیکھ کر قلب و جگر دیکھو
اک آئینہ میں تصویریں لگی ہیں دو برابر کی

سمجھتا ہوں کہ نیرنگ جہاں قبضہ میں میرے ہے
کہیں سے پنکھڑی اک ہاتھ آئی ہے گُلِ تر کی

یہی ہنگام بھی اختتام شام فرقت کا
گریباں چاک کر کے آئی خود صبح محشر کی

مرے دل کی رگیں سب خون دیتی ہیں ادھر دیکھو
تم اپنے ہاتھ سے کیوں دیکھتے ہو باڑھ خنجر کی

لحد میں آنکھ کھولی ہے مگر یہ بند کرتا ہوں
یہاں بھی تیرگی شاید سمٹ آئی ہے ہر گھر کی

باتیں کچھ کسی سے ہوں تنہائی کا عالم ہو جائے
اک دل جائے تو صحبت مری برہم ہو جائے

مثل آئینہ کے ہو جائے اسے بھی حیرت
محو نظارۂ رخ گر دل پر غم ہو جائے

جانکنی میں نگہ یاس دکھا دو ان کو
یوں بھی برہم ہو مزاج ان کا تو برہم ہو جائے

ایک مدت سے جاوید اسی کی عادت
خون دل کا ہوا اگر درد جگر کم ہو جائے

دامن میں اشک جذب ہوں تو کیا کرے کوئی
تاروں کو ڈوبتے ہوئے دیکھا کرے کوئی

دو موتی ایک ساتھ گوارا نہیں مجھے
دامن غیر کے تو یہ پردا کرے کوئی

وہ ایک بار ہی سہی ملنے کی ہو امید
ان کی نہیں اجل کی تمنا کرے کوئی

میں وقت واپسیں تمھیں دیکھوں کہ جان دوں
تھوڑا سا وقت کام بہت کیا کرے کوئی

جاوید ہم کہیں کہ رگیں دل کی کھنچتی ہیں
انگڑائی لیکے وہ یہ کہیں کیا کرے کوئی

اور کچھ بھی نہیں فرقت میں ضرر ہوتا ہے
درد سینہ میں مگر آٹھ پہر ہوتا ہے

لاکھ ہو ضبط کی عادت مگر اے درد فراق
ہاتھ کھنچتا ہے ادھر قلب جدھر ہوتا ہے

کیا نہیں آیا ہے افسانۂ ماتم کہنا
چپ جو ہو جاتا ہوں میں آپ کا ڈر ہوتا ہے

میں ہی رویا میں ہی تڑپا میں ہی دنیا سے چلا
یاں مجھی پر مرے نالوں کا اثر ہوتا ہے

یہ ادا دیکھ کے منظور ہے مرنا جاوید
پوچھ لے کوئی کہ کیا درد جگر ہوتا ہے

راز افشا کر کے کیوں قاتل کو رسوا کیجیے
زخم دامندار سے تیروں کا پردہ کیجیے

دو حسینوں پر نظر اک وقت میں اچھی نہیں
دیکھ کر چاند آئینہ میں منہ نہ دیکھا کیجیے

ابتدائے عشق میں پردہ کی ضد اچھی نہیں
پہلے مجھ کو خوگر ستم تمنا کیجیے

آج ان کے سامنے اس سوچ میں لب بند ہیں
بات کچھ ہم پہلے پہل کیجیے مگر کیا کیجیے

میں ہنسوں یا روؤں یا نالے کروں یا چپ رہوں
رات تھوڑی اور بہت سے کام کیا کیا کیجیے

.....:.....

پھر آج حالِ قلب و جگر کا تباہ ہے
چہرے کا رنگ اڑا ہوا سچا گواہ ہے

فتنے اگر ہیں سو تو کرشمے ہزار ہیں
دیکھے جسے ہر ایک وہ انکی نگاہ ہے

ہر موج مضطرب ہیں تو روتے ہیں ہر حباب
دریا میں آج کوئی سفینہ تباہ ہے

یہ کہہ کے مجرموں میں مجھے دی گئی سزا
تیرا کوئی گناہ نہیں یہ گناہ ہے

کہنے سے میں نے دل کے وفا تم نے کی جفا
میرا قصور ہے نہ تمہارا گناہ ہے

اندھیر عشق زلف سے آخر میں ہو گا کیا
جاوید ابھی سے آنکھوں میں عالم سیاہ ہے

اس ہجر کے آنیکی تدبیر چاہیے
کچھ تو ہمارے دفن میں تاخیر چاہیے

ترکش میں جو کہ رہ نہ سکے ایک حال پہ
مجھ مضطرب کیواسطے وہ تیر چاہیے

جب اٹھ کھڑے ہوئے تو اسیری کہاں رہی
کوتاہ اپنے پاؤں کی زنجیر چاہیے

اچھا ہی ہے کہ وہ سنتے ہیں بار بار
کچھ تو مرے کلام میں تاثیر چاہیے

بے خوف جس سے حال شبِ غم بیان کرو
جو مسکرا رہی ہو وہ تصویر چاہیے

برگشتہ بخت جو ہیں یہ سوجھی ہے انکو راہ
آنکھیں لڑیں تو صلح کی تدبیر چاہیے

شاید اب یہ کہدیں یہ مصیبت پریشانوں کی
دہن زخم زباں پا گئے پیکانوں کی

وہ ادھر جاتے ہوئے حشر میں فرماتے ہیں
بھیڑ جس سمت کو ہے چاک گریبانوں کی

لے چلی کونسی حسرت مجھے اس کوچہ میں
وہ بھی معلوم ہے عادت ہے جو دربانوں کی

سوزِ الفت تھا کہ یہ رشک تھا ثابت نہ ہوا
شمع کے جلتے ہی موت آ گئی پروانوں کی

مر کے سب کہدیا جو کچھ کہ مجھے کہنا تھا
انتہا آپ بھی سمجھے مرے افسانوں کی

جس جگہ جائیں بنالیں ترے وحشی صحرا
خاک لے آئے ہیں مٹھی میں بیابانوں کی

دیکھنے کس کو بڑے شوق سے جاتے ہیں کلیم
طور تک حد ہی نہ ہے بڑھتے ہوئے ارمانوں کی

مسکرا کر جسے تم نے بھی بنایا کئی بار
ایک تصویر وہی تھی مرے ارمانوں کی

دوستوں کو ترے تجھ سے بھی زیادہ جاوید
جستجو ہے ترے کھوئے ہوئے دیوانوں کی

اِنتساب

بنام

ڈاکٹر احسن فاروقی

معتمد دوست، عظیم انسان، نکتہ رس،
دقیقہ سنج، بالغ نظر، دانشمند، حقیقت پسند،
شعلہ ور ذہن، طوفان علم، نسیم ادب،

اک مشتِ گل میں جلوہ آرا تھا

ہم اس کی یاد میں اشکبار ہیں اور عقیدت کے یہ آنسو
اس کی فقید المثال شخصیت پر نثار ہیں

ذرۂ ناچیز
شمسؔ